ماہنامہ
براہِ راست
لاہور

جب ایک وقت
کا کھانا بھی نہ ملے

جلد 13 شمارہ 07
جولائی 2026ء

امریکی سفارت خانہ
اور
مسجد اقصیٰ کا آمنا سامنا

؟

اسرائیل کے مکار

نے **ایک ڈالر**
لیز پر زمین دے دی

تل ابیب کی تباہی کا بدلہ
غزہ: شدید بمباری، مکمل نسل کشی

20 ویں صدی: غداروں کی یلغار
صہیونیت کے دانتوں پر فلسطینی خون

عدالت کا ڈھونگ یا کھلی ناانصافی؟

جہاں قانون کا ترازو نسل اور قومیت دیکھ کر بدل جاتا ہے۔ دنیا کا واحد ملک جو معصوم بچوں کو لوہے کے پنجروں اور سنگین فوجی قوانین کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے، جہاں بارود کے سائے میں پروان چڑھنے والے بچوں کا جرم صرف اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا یا پتھر اٹھانا ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 13 شمارہ 07 جولائی 2026ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

اسرائیل کا مغربی کنارے میں فلسطینی نسل کشی روکنے سے انکار

اسرائیل میں صدر سپریم کورٹ اور اٹارنی جنرل کی باہمی آویزش

امریکی اکثریت اسرائیل مخالف ہو چکی ہے

برجن سٹاک کے بند کمرے، تہران کا جشن اور تل ابیب کا ماتم

- غزہ میں صہیونی ریاست کے خوفناک مہلک ہتھیار
- جب ایک وقت کا کھانا روزانہ کا خواب بن جائے
- غزہ میں اسرائیلی فوج کی بربریت
- ہندوستانی جج نے اسرائیل کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا
- غداری اور وفاداری کی صدی
- تاریخ مسجد اقصیٰ: تقدس، عظمت اور تاریخی ارتقاء

کلامِ اقبال

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو تو نوا ہے محرم گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردۂ ساز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں

دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن
نہ تری حکایت سوز میں نہ مری حدیث گداز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اداریہ

مغربی کنارے کی فکر کیجئے!

اسرائیل نے مغربی کنارے میں فوجی اور آبادکاری کی کارروائیاں تیز کردی ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ دنیا ایک بڑے جنگی بحران کی لپیٹ میں ہے۔ یورپ اور روس میں جنگ تیز ہورہی ہے۔ مشرقی لائن یا مغربی لائن برائے رہ گئی ہیں۔ یہی حال اسرائیلی فوج نے ٹرمپ کے غزہ امن پلان کی آڑ میں یلیو لائن کی پامالی کا کر دیا ہے۔ اس نے لائن کے ساتھ ساتھ بفرزون کے عنوان سے غزہ کے اندر اپنے قبضے کو وسیع کر دیا ہے۔ شام پر حملوں کے بعد وہاں بھی اسرائیلی بفرزون قائم کر دیا گیا ہے۔ لبنان کے اندر بھی یہی صورت حال ہے جہاں بفرزون میں ساری لبنانی آبادی کو ختم کر دیا گیا یا وہاں سے اندرون لبنان ہجرت پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ان جنگی اقدامات کے ساتھ اسرائیلی فوج اور یہودی آبادکاروں کے جتھوں نے ایک ایسے نکبہ کی بنیادیں اٹھادی ہیں، جیسا اسرائیل کے قیام کے لیے بن گوریان کی قیادت میں کی گئی تھیں۔

مغربی کنارے میں فلسطینی آبادی کو ختم کرنے کے لیے بھی ان کارروائیوں میں تیزی آ گئی ہے۔ مسجد اقصیٰ پر حملوں اور اتمار بن گویر کی قیادت میں یہودی آبادکاروں کے گروہ داخل ہو رہے ہیں۔ ایک حالیہ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ غزہ پر حملوں اور نسل کشی کی جنگ سے اب تک مسجد اقصیٰ میں یہودی آبادکاروں کے حملوں میں 18 گنا اضافہ نوٹ کیا گیا ہے۔

مغربی کنارے میں ایک ایسا کام شروع کر دیا گیا ہے جیسا دنیا کے کسی حصے میں کسی قابض فوج یا اس کی سرپرستی میں کہیں نہیں ہوا۔ یہ کارروائی صہیونی فوج نے کی تھی۔ غزہ کے قبرستان اکھاڑ دیے گئے تھے۔ بلڈوزروں کے ذریعے فلسطینی شہداء کی میتیں باہر نکال دی گئی تھیں۔ اب مغربی کنارے میں یہ قبیح کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ایک فلسطینی خاندان کے والد کو شہید کر دیا گیا۔ جب اسے دفنا دیا گیا تو فوج اور آبادکار اکٹھے ہوکر وہاں آ گئے۔ فوج کی سرپرستی میں اس خاندان سے کہا گیا کہ قبر کھودی جائے اور شہید والد کی قبر کہیں اور بنائی جائے۔ جس قبرستان سے میت نکالنے کی کارروائی کی گئی وہ آبادی سے 300 میٹر کے فاصلے پر تھا۔

آبادکار صہیونیوں نے جواز یہ بنایا کہ یہ قبر ان کی یہودی بستی صانور کے قریب تر ہے۔ یہ حسین عصاصا کی قبر تھی جسے اکھاڑنے کا حکم اس بستی کے آبادکار یہودیوں کے کہنے پر قابض صہیونی فوج نے دیا۔ یہ واقعہ تب پیش آیا جب حسین عصاصا کو دفن کرنے کے بعد فلسطینی وہاں سے جا چکے تھے۔ انہوں نے قبر تیار کرنے کے لیے صہیونی فوج اور میونسپل حکام سے اس کی باقاعدہ اجازت لی تھی اور پرمٹ حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد حسین کے دفنانے میں کسی نوعیت کی قانونی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے باوجود اس خاندان پر دباؤ ڈالا گیا کہ یہ قبر صانور کے بہت قریب واقع ہے، اس لیے حسین کو وہاں سے نکال کر کہیں اور دفن کیا جائے۔ جب قبر کشائی کی جارہی تھی، آبادکار یہودیوں نے پتھراؤ شروع کر دیا جس سے میت نکالنے والے متعدد فلسطینی زخمی کر دیے گئے۔ اس واقعہ کی وہاں موجود اقوام متحدہ آفس اور وہاں متعین افسر اجیت سانگھے نے شدید مذمت کی۔ اس افسر کا تعلق اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کمیشن سے تھا۔ اجیت نے اس موقع پر کہا کہ یہ ایک انتہائی غیر انسانی اور سنگین نوعیت کا واقعہ ہے۔ اس کا کوئی بھی جواز پیش کیا ہی نہیں جاسکتا۔ یہودی آبادکار زندہ یا مردہ کسی بھی فلسطینی کو برداشت کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں۔

مغربی کنارے میں فلسطینیوں پر تشدد کے واقعات کافی عرصے سے جاری ہیں۔ ایسے واقعات بھی رونما ہوئے ہیں جن میں پوری فلسطینی آبادی کو لوہے کی باڑ لگا کر ایک جگہ تک محدود کر دیا گیا۔ یہ اپنی نوعیت کے کنسنٹریشن کیمپوں کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ جن فلسطینی کے عزیز واقارب ان کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہیں، انہیں پابند کیا گیا ہے کہ وہ کیمپ کے اندر اپنے گاؤں میں آنے جانے کے لیے فوج سے خصوصی پرمٹ حاصل کریں۔

اب آبادکار صہیونی آبادکاروں کے اس طرح سے نرغے میں ہیں کہ فلسطینی اپنے گاؤں سے باہر نہیں جاسکتے۔ اکثر و بیشتر پرمٹ رکھنے والوں کو بھی اپنے ہی

گاؤں اور گھر میں داخلے سے زبردستی فوج روک دیتی ہے۔ اسرائیلی آبادکار فلسطینیوں کو گولی ماردیتی ہے جن سے حسین کی طرح کی اموات واقع ہوتی ہیں۔
فلسطینیوں نے اسے نوآبادیات قرار دیا ہے۔ اس کے خلاف انہوں نے نوآبادیات اور اسرائیلی حکام کے خلاف ایک کمیشن قائم کردیا ہے۔ اس دوران میں حالیہ دنوں میں 50 سے زیادہ فلسطینی شہید کیے جاچکے ہیں۔ اب نیا کام یہ شروع کیا گیا ہے کہ شہید ہونے والوں کو دفن کرنے سے بھی روکا جارہا ہے۔
دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اور اس کے مضافات سے فلسطینیوں کی آبادیوں کو مکمل ختم کرکے وہاں بھی یہودی بستیاں بنائی جارہی ہیں۔ مسجد کے احاطے میں آبادکار یہودی کسی بھی وقت داخل ہوجاتے ہیں۔ وہ اتمار بن گویر کی سرپرستی میں داخل ہوتے ہیں۔ اتمار کا دعویٰ ہے کہ مسجد اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ یہودی اندر داخل ہوتے وقت تلمودی گانے بلند آواز میں گاتے ہیں۔ ان کے گروہ میں سے کچھ لوگ تلمودی نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ خود یہودی ربی حضرات کہتے ہیں کہ کسی یہودی یا صہیونی کو مسجد اقصیٰ کے اندر عبادت کی اجازت نہیں ہے۔ وہ جب بھی مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہیں تو عموماً نماز ظہر کا وقت ہوتا ہے۔ ایک طرف وہاں مسلمان نماز ادا کرنے آتے ہیں اور دوسری طرف تلمودی گانے بجائے اور پڑھے جاتے ہیں۔ دوپہر ایک سے تین بجے تک کسی یہودی کو، خواہ وہ اسرائیلی ہو یا آبادکار، مسجد میں داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ یہی نماز ظہر کا وقت ہے۔
یاد رہے کہ مسجد اقصیٰ مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں واقع ہے۔ بقیہ مشرقی حصہ مسلم آبادی کے لیے مخصوص ہے اور اقوام متحدہ کی بہت سی قراردادوں کے مطابق کسی بھی صورت میں اس کی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امر بہت تشویش ناک ہے کہ اردن کو مسلم اوقاف کی قانونی سرپرستی حاصل تھی۔ سارے انتظامات بھی اسی کے ذمہ تھے لیکن اس سال اس کی مسلسل بے اعتنائی یا یوں کہیے کہ اسرائیل سے ملی بھگت کے بعد مسلم اوقاف کو اس سال مئی میں ختم کردیا گیا۔ اب مسجد براہ راست حکومت اسرائیل کے کنٹرول میں ہے۔ مسلم اوقاف موجود نہیں ہے۔ صہیونی حکومت پر عشروں سے ثبوت کے ساتھ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ مسجد کے تقدس کو پامال کررہا ہے۔ اب تو وہ باقاعدہ اردن کی ملی بھگت سے سارے معاملات کا خود نگران بن گیا ہے۔
مقبوضہ بیت المقدس کے انتظامات کا مجموعی کنٹرول بھی اسرائیلی گورنر کے پاس ہے۔ اس کا نام عمر رجب ہے۔ عمر رجب اسرائیلی حکومت کی طے شدہ پالیسی لائن کے تحت کام کرتا ہے۔ یہودی جب بھی مسجد میں داخل ہوتے ہیں، وہ اسرائیلی جھنڈے اور تلمودی نشانات ساتھ لے کر آتے ہیں۔ فلسطینیوں کو ایک منصوبے کے تحت اشتعال دلایا جاتا ہے۔ جن گلیوں میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے، اسرائیلی پولیس اور فوج ان پر قبل از وقت قابض ہوجاتی ہے۔ اس صورت حال میں کئی بار متصادم بھی ہوچکے ہیں۔
عمر رجب کا خود کہنا ہے کہ آبادکار یہودی جس کثرت سے روزانہ آتے ہیں، وہ کسی بڑے سانحہ کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہ بین الاقوامی قانون کی صاف صاف پامالی ہے۔ انہیں اس کی اجازت نہ ہونے کے باوجود اسرائیلی وزراء بالخصوص اتمار بن گویر مسجد میں زبردستی داخل ہوتے ہیں۔

شرم کسی بھی مسلم کو مگر نہیں آتی!

دنیا بھر کے مسلمانوں کو کان کھول کر سننا اور آنکھیں کھول کر دیکھنا اور پڑھنا چاہیے کہ مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں اسرائیل نے امریکی سفارت خانے کی مستقل عمارت تعمیر کرنے کے لیے صرف ایک ڈالر کی لیز پر زمین کا قطعہ دے دیا ہے۔ اب تو سمجھ لینا چاہیے کہ ٹرمپ اور نیتن یاہو کی ملی بھگت صرف فلسطینیوں کے خلاف نہیں ہے بل کہ پورے عالم اسلام کو دونوں نے جوتے کی نوک پر رکھا ہے۔ پاکستان کا ایٹم بم، ترکی کا نیا تھموبیرک بم، ایران کا متوقع ایٹم بم بے کار گئے ہیں۔ یہ اردن کے شاہ عبداللہ، شام کے صدر اور مصر کے نام نہاد صدر کے قدموں میں ڈھیر کردیے گئے ہیں۔ متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب پھر دوبارہ سفارت خانہ تعمیر کرنے کے لیے امریکہ کو اربوں ڈالر دیں گے، اس ڈیل کا پہلا نتیجہ بھی سامنے آگیا ہے۔ اسرائیل نے غزہ پر یہ جنگ بندی کو نظر انداز کرتے ہوئے جمعہ 3 جون کو تباہ کن بمباری کی ہے۔ اب تو چمن جل گیا ہے۔ مسلم ممالک کا روایتی بیان بھی مذمت میں سامنے نہیں آسکا ہے۔ ایران نے بھی تا حال اس پر کوئی پالیسی بیان جاری نہیں کیا ہے۔ ذرا تصور کریں کہ مسجد اقصیٰ کے پڑوس میں امریکی سفارت خانہ قائم ہوگیا تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔

حزرائے چہرہ دستاں۔۔۔

خصوصی رپورٹ: ابوالعین

اسرائیل کا مغربی کنارے میں فلسطینی نسل کشی روکنے سے انکار

اسرائیل نے جس انداز سے غزہ میں نسل کشی کر کے فلسطینیوں کے خاتمے کی کوشش کی ہے، اس سے بہت سے ردعمل دنیا بھر میں ابھرے ہیں۔ ان میں اسرائیل کی سفارتی، سیاسی اور اخلاقی تنہائی، یورپ میں اسلام کا تیزی سے فروغ، اسرائیل سے عمومی نفرت، نیتن یاہو کے لیے عدم قبولیت اور دیگر ردعمل شامل ہیں۔

اس وقت دنیا کی توجہ مغربی کنارے میں جاری فلسطینی نسل کشی کی جانب ہو رہی ہے۔ مغربی کنارے میں آبادکار یہودیوں جو (Settler) کہلاتے ہیں، دنیا بھر سے لائے جا رہے ہیں، ان کے لیے مقبوضہ مشرقی بیت المقدس (المعروف یروشلم)، مغربی کنارے اور دیگر مقبوضہ عرب علاقوں میں تشدد، قتل و غارت گری، مکانات، کاروبار، زرعی زمینوں اور زیتون کے درختوں کی بربادی کی صورت میں برآمد ہو رہا ہے، عالمی سطح پر اس کے خلاف ردعمل پیدا ہو رہا ہے۔

اسرائیل ان تمام کارروائیوں کی پشت پر ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس میں، مسجد اقصیٰ کی حیثیت تبدیل کرنے کے کاموں میں وزیر قومی سلامتی اتمار بن غفیر پورے ریاستی وسائل سے لیس ہو کر حملہ آور ہے، جیلوں اور نظر بندی کیمپوں کو عقوبت خانوں میں تبدیل کرنے اور خود تشدد کی نگرانی کرنے میں ملوث ہے۔

اسی طرح مغربی کنارے میں وزیر خزانہ سموٹریش سرگرم ہے۔ پولیس، شین بیت، موساد کا عملی کنٹرول اس کے پاس ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ وہ فاشسٹ ہے اور اپنی فاشزم سے مغربی کنارے کو جودیہ اور سماریہ میں تبدیل کر کے فلسطین کے قیام کو ناممکن بنائے گا اور پورے مغربی کنارے کو اسرائیل میں ضم کرنے کا مشن پورا کرے گا۔

ان وزیروں کے علاوہ فلسطینی اتھارٹی فلسطینیوں کے مفادات کے ہی خلاف سرگرم ہے۔ اگرچہ اس اتھارٹی کی حکومت مغربی کنارے کے آٹھ حصوں میں سے صرف ایک تک ہے، لیکن دنیا بھر سے بنڈ، گرانٹس اور دیگر عملی امداد اسی کو جاتی ہے، اس طرح اسرائیل اس مالی بے ضابطگی کا بھی مرتکب ہوتا ہے جب یہ امداد اس کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

اس صورت حال کا دنیا نے اب نوٹس لینا شروع کیا ہے۔ آبادکار یہودیوں کے تشدد اور ان کے فلسطینیوں کے قتل میں ملوث ہونے پر ردعمل ابھر رہا ہے۔ اس حوالے سے اسرائیل کی مخالفت میں برطانیہ، آسٹریلیا، کینیڈا، فرانس اور نیوزی لینڈ نے بھی عملی اقدامات پر زور دیا ہے۔ ان اہم ممالک نے واضح کیا ہے کہ اس حوالے سے ٹھوس اقدامات لیے جائیں گے۔ ان کے لیے یہ ممالک اسرائیلی کارروائیوں سے نالاں ہیں۔ اگر اسرائیل اقدامات کرنے میں ناکام رہتا ہے، جس کا امکان ہے کہ وہ اپنے اقدامات نہیں روکے گا تو زمینی حقائق کے ساتھ ساتھ دنیا بھی راست اقدامات طے کرے گی۔

یہ بات نوٹ کی گئی ہے کہ اسرائیلی حکومت آبادکار یہودیوں کو بلڈوزر فراہم کرتی ہے، فوج، پولیس اور شین بیت ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ طب طے شدہ پروگرام کے مطابق مختلف شہروں رام اللہ، الخلیل اور دیگر شہروں اور ان کے مضافات میں حملے کرتے ہیں۔ ان کارروائیوں کے خلاف فلسطینی احتجاج مکمل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

انہی ریاستی تشدد کا ایک واقعہ وادی درہ میں پیش آیا۔ یہ الخلیل کے مغرب میں واقع ایک

وادی ہے۔ یہاں کوئی وجہ بتائے بغیر عشروں سے آباد فلسطینی آبادی کو یہ کہہ کر ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا کہ ان کے پاس رہائشی اور زرعی پرمٹ نہیں تھے۔

ان اور اسی طرح کے واقعات کا نوٹس لیتے ہوئے برطانیہ، آسٹریلیا، کینیڈا، فرانس، نیوزی لینڈ اور ناروے نے اسرائیل کی امداد پر بعض پابندیوں کا اعلان بھی کیا ہے۔ ان ممالک نے ان نیٹ ورکس کو اپنی پالیسیوں کا ہدف بنایا ہے جو آبادکار یہودیوں کے تشدد کے باوجود ان کے ساتھ یا ان کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ ایک تازہ اقدام جون کے ہی ایک واقعہ پر سامنے آیا جس میں آبادکار یہودیوں کی مدد کے لیے یہ نیٹ ورکس، ریاستی ادارے اور سیکیورٹی حکام سرگرم رہے۔

اس بارے میں فرانس کے وزیر خارجہ جین نویل بیرٹ سوشل میڈیا پر ایک پوسٹ میں کہا کہ ہم برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ناروے سے مل کر نئی پابندیوں کا اطلاق کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل ان علاقوں میں ریاستی تشدد اور فلسطین کے لوگوں کی نسل کشی کے اقدامات میں شدت پیدا کرتا جا رہا ہے۔

فرانس کی وزارت خارجہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ اسرائیل کے وزیر خزانہ بزازیل سموٹریش کے ان مغربی ممالک کے دوروں پر پابندی لگا رہے ہیں۔ ان پابندیوں کا اطلاق تین آبادکار یہودی رہنماؤں کے ساتھ ساتھ 21 آبادکار یہودیوں پر بھی کر رہے ہیں جو تشدد کے واقعات میں پیش پیش ہیں۔

اسرائیل نے ان پابندیوں کے اعلان کو مسترد کیا ہے۔ اس کی وزارت برائے خارجہ امور کے ترجمان اورن مارمورسیٹن نے ایک بیان میں کہا ہے کہ یہ اقدامات سفارتی عمل کے خلاف ہیں اور اسرائیل ان کو سختی سے مسترد کرتا ہے۔ ان یورپی اقدامات کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اسرائیل کو سیاسی طور پر خاموش کر دیا جائے، یہودی راہنماؤں کے آزادانہ سفر کو روکا جائے، آبادکار یہودیوں کے حقوق کا انکار کیا جائے۔ اسرائیل یہودیوں کی سرزمین ہے اور آبادکار یہودیوں کی آبادکاری کو روکا جائے۔ اس طرح یہ ممالک اسرائیل فلسطین تنازعہ میں زبردستی فریق بن رہے ہیں۔

برطانوی حکومت نے اپنے کاروباری حلقوں اور شہریوں پر زور دیا ہے کہ وہ مغربی کنارے میں تجارتی، صنعتی یا زرعی فارمنگ کی کسی سرگرمی میں آبادکار یہودیوں کا ساتھ نہ دیں۔ ایسا کرنا بین الاقوامی طور پر غلط اور غیر قانونی ہوگا۔

سیکرٹری خارجہ امور ویٹی کوپر نے پارلیمان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے اسرائیل سے اپنے بزنس رسک میں راہنمائی فراہم کرنے کے عمل کو مضبوط کیا ہے تا کہ یہ صاف طور پر بتا دیا جائے کہ ہماری پالیسی بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ اگر کوئی بھی برانوی شہری ہے، بزنس مین ہے، وہ یہودی بستیوں میں کسی نوعیت کی کوئی سرمایہ کاری نہ کرے اور نہ ہی معاشی و مالی سرگرمی میں شامل ہو۔ انہوں نے واضح کیا کہ:

''ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ تشدد پسند آبادکار گروہوں کو کسی بھی منافع بخش کام یا چیریٹی میں شریک نہ کیا جائے۔ جس کے ذریعے فلسطینیوں سے ان کے مکان، کاروبار یا زمین پر قبضہ کیا گیا ہو یا جا رہا ہو۔''

ایک پریس نوٹ میں برطانوی حکومت نے اپنی پالیسی کو مزید بیان کرتے ہوئے یہ دھرایا ہے کہ ''ہم نے اسرائیلی حکومت پر بھی زور دیا ہے کہ وہ یہودی بستیوں میں توسیع کا پروگرام ختم کرے۔ یہودی آبادکاروں کے تشدد کو روکے، تشدد کے مرتکب آبادکاروں کو قانون کے کٹہرے میں لائے اور فلسطینیوں کی آزادانہ نقل و حمل اور کاروبار و زراعت میں رخنہ اندازی خود بھی نہ کرے اور آبادکار یہودیوں کو بھی ایسا کرنے سے روکے۔''

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے برطانوی حکومت کے اقدامات کو درست سمت میں ایک قدم قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ناکافی ہیں۔ ایمنسٹی نے کہا ہے کہ:

''وزیر حضرات اپنے ارادے میں سنجیدہ ہیں کہ وہ اسرائیل پر پابندیاں لگائیں گے تا کہ مغربی کنارے میں اس کی سرگرمیوں کو روکا جا سکے تو انہیں حقیقت پر مبنی ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے، یہودی بستیوں کے پھیلاؤ اور آبادکار یہودیوں کی امن دشمن سرگرمیوں کو مکمل طور رپ ختم کرانا ہوگا تا کہ ان کو اسرائیل کی حکومت سے ملنے والے فنڈز کی فراہمی سے روکا جائے اور وہ اپنی ریاستی پالیسی کو واضح طور پر بیان کرے۔''

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی نمائندہ کرسٹین بینیڈکٹ نے کہا کہ:

''آبادکار یہودیوں کے نیٹ ورکس کو مالی امداد دی جا رہی ہے، ان پر گرفت کی جائے، ان کے کام کو روکا جائے جب کہ اسرائیلی وزراء خود ان سرگرمیوں میں ملوث ہیں، اسی لیے کسی بھی طرح سے ان نیٹ ورکس کی بامعنی جواب دہی ممکن نہیں ہے۔ برطانیہ بنیامین نیتن یاہو، اورٹ سٹروک، ازازیل کاٹس اور گیلانٹ کی سرگرمیوں پر پابندیاں عاید کرے۔''

بینیڈکٹ نے مزید کہا کہ: ''برطانوی حکومت کر سچین ایڈ، برٹش چیریٹی کی سرگرمیوں کو ختم کرائے۔ محض ایڈوائس سے کام نہیں چلے گا۔ برطانوی بزنس مین اب بھی مغربی کنارے میں آبادکار یہودیوں کی سرگرمیوں کو فنانس کر رہے ہیں۔''

اسرائیل نے ان تمام مطالبات کو مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے فوجی آبادکار یہودیوں کے تحفظ کے لیے کام کرتے رہیں گے۔

تجزیہ: مرزا محمد الیاس

اسرائیل میں صدر سپریم کورٹ اور اٹارنی جنرل کی باہمی آویزش

اسرائیل کی تاریخ میں موجودہ سال (2026ء) سیاسی اور آئینی طور پر سب سے زیادہ ہنگامہ خیز ثابت ہو رہا ہے۔ جہاں ایک طرف نیتن یاہو حکومت غزہ، مغربی کنارے اور لبنان میں شدید جنگی چیلنجز اور عالمی تنقید کا سامنا کر رہی ہے، وہیں دوسری طرف خود صیہونی ریاست کے اندرونی ستون اور اہم ترین جمہوری ادارے آپس میں ٹکرا چکے ہیں۔ عام انتخابات کے اس سال میں، نیتن یاہو حکومت اور انتہا پسند دائیں بازو کے وزراء (جیسے اتمار بن غفیر اور سموٹریش) نے عدلیہ کو اپنے سیاسی مقاصد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھ لیا ہے۔

اس وقت اسرائیل کا پورا قانونی اور سیاسی منظر نامہ سپریم کورٹ کے صدر جسٹس آئزک امیت اور ملک کی پہلی خاتون اٹارنی جنرل گلی بہاریف میارا کی حکومت کے ساتھ بڑھتی ہوئی آویزش کا مرکز بن چکا ہے۔ یہ آویزش محض دو افراد کا اختلاف نہیں، بلکہ اسرائیل کی تاریخ کا وہ انوکھا موڑ ہے جہاں حکومت، عدلیہ پر "فیک نیوز" اور جھوٹے الزامات کے ذریعے اس کے فیصلوں کو داغدار کرنے کے درپے ہے، جبکہ ملک کے اعلیٰ ترین جج اور قانونی مشیر سرِ عام یہ دہائی دے رہے ہیں کہ حکومت خود اپنے ہاتھوں سے ریاستی اداروں اور انصاف کے نظام کو تباہ کر رہی ہے۔

اسرائیل میں ایسے واقعات ہو رہے ہیں جن کا دنیا یا آزاد میڈیا نے کبھی سوچا یا خیال بھی نہیں کیا تھا۔ یہ سال وہاں عام انتخابات کا سال ہے۔ اس عمل میں نیتن یاہو حکومت کو سخت چیلنجز کا سامنا ہے۔ اسرائیل کے اداروں میں باہمی اختلاف رائے کھل کر سامنے آ رہا ہے۔ سپریم کورٹ کے صدر آئزک امیت اور اٹارنی جنرل گلی بہاریف اس آویزش کا نیا عنوان بنے ہوئے ہیں۔

اٹارنی جنرل گلی بہاریف خاتون ہیں۔ اہوں نے اسرائیل کی قابض فوج میں لازمی فوجی سروس 8200 یونٹ میں انجام دی۔ یہ وہ زمانہ یا وقت تھا جب اسرائیل میں جنگی خدمات کو آزادی کی جنگ یا عظیم نکبہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس طرح اپنے پس منظر میں وہ فلسطین کے خلاف لڑتی رہی تھیں۔ وہ اسرائیل ڈیفنس فورسز کے ریسرچ کے شعبہ میں ملٹری انٹیلی جنس سے وابستہ رہیں۔ انہوں نے 1984ء میں گریجوایشن کی اور 1986ء میں تل ابیب یونیورسٹی سے قانون میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔

گلی بہاریف کو 2021ء میں اسرائیل کی اٹارنی جنرل مقرر کیا گیا۔ اس عہدے کے لیے اس وقت اسرائیل کی وزیر اعظم نیفتالی بینٹ نے مدد کی۔ وہ اسرائیل کی پہلی خاتون اٹارنی جنرل 2022ء میں بنائی گئیں۔ وہ 2025 میں درون خانہ سازش سے اپنے عہدہ سے ہٹائی گئیں۔ بعد ازاں وہ دوبارہ یہ پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب رہیں۔ اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ کبھی غیر متنازعہ اٹارنی جنرل نہیں رہیں۔ جس کمیٹی نے انہیں عہدے سے

ہٹانے کے عمل میں حصہ لیا، اس میں سموٹریش، اتمار بن غفیر اور ایکال میکلی جیسے انتہا پسند صہیونی وزیر شامل تھے۔ ان کے اٹارنی جنرل کے طور پر اسرائیل کی ہائی کورٹ کے جسٹس نوم سوبل برگ بھی شامل تھے۔ انہیں نیتن یاہو حکومت نے 4 اگست 2025ء کو ان کے عہدے سے فارغ کر دیا لیکن ہائی کورٹ نے اسی دن انہیں بحال کر دیا۔

سپریم کورٹ آف اسرائیل کے صدر آئزک امیت 1958ء میں اسرائیل میں ہی پیدا ہوئے۔ انہوں نے اسرائیل کی فوج میں لازمی سروس کی۔ انہوں نے یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی سے 1985ء میں قانون میں گریجوایشن کی۔ انہیں 1986ء میں اسرائیل کی بار کونسل کا رکن بنایا گیا۔ وہ حائفہ مجسٹریسی کورٹ میں مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ پھر وہ اکتوبر 2001ء میں حائفہ کورٹ کا قائم مقام جج مقرر کیا گیا۔ وہ اکتوبر 2009ء میں سپریم کورٹ کے جج مقرر کیے گئے۔

اسرائیل کے قانونی منظر اب اٹارنی جنرل اور صدر سپریم کورٹ کے باہمی اختلافات موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے آنے والے انتخابات کے حوالے سے حکومت کے اقدامات، جمہوری عدم برداشت اور عدلیہ پر حملوں کو جمہوریت کے مستقبل پر سوالات اٹھائے ہیں۔ لبرل بار ایسوسی ایشن کے تحت ایک کانفرنس میں سپریم کورٹ کے صدر امیت نے کہا کہ اسرائیل میں بعض عناصر، جن میں منتخب نمائندے بھی شامل ہیں، جھوٹی اور بے بنیاد اطلاعات پھیلا رہے ہیں۔ ان اطلاعات کا مقصد سپریم کورٹ کے کردار کو داغدار کرنا اور اس کے فیصلوں کو سیاسی بنیادوں پر متنازعہ بنانا ہے۔ اس سے جمہوریت کو شدید خطرات لاحق ہیں۔

اٹارنی جنرل کے خلاف بھی بعض وزیروں نے محاذ بنایا ہوا ہے۔ بہاریف میارا کو بھی بعض وزیروں نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔ انہوں نے بھی بار ایسوسی ایشن کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت میں دوڑ لگی ہوئی ہے کہ ہر صورت میں اسرائیل میں جمہوریت کے عمل کو تنقید کا ہدف بنانا ہے۔ حکومت ہر صورت میں جمہوری اداروں کو ختم کرنا چاہتی ہے تاکہ آنے والے انتخابات میں اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکیں۔

جسٹس آئزک امیت نے حکومت کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ یہ سلسلہ جنوری 2025ء سے ہی جاری تھا جب سے وہ اس عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ وہ حکومت کے غلط دعوؤں اور اقدامات کے خلاف بولتے تھے۔ ان پر الزامات تھے کہ وہ 2018ء سے اسرائیلی فوج کے اقدامات کی مخالفت کرتے آئے تھے۔ ان کے بارے میں دائیں بازو کے سیاست دان اور تنظیمیں بیانات دیتی تھیں کہ وہ اکتوبر 2024ء کے حوالے سے حکومت کے موقف کو غلط قرار دیتے تھے۔

یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ وہ اسرائیلی سپریم کورٹ کے از خود صدر بن گئے تھے۔ وہ اب تک کہتے آرہے ہیں کہ حقیقت اور افسانے کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھا جانا ضروری ہے ورنہ انصاف کی پامالی اعلیٰ ترین سطح سے جاری رہے گی۔ غلط بیانی کی قانونی، اخلاقی اور عوامی سطح پر ایک نہ ایک دن سزا بھگتنا ہوگی۔ امیت کا کہنا تھا کہ عوام کو غلط معلومات کی فراہمی خود حکومت کی وقعت کے خاتمے کا ذریعہ بن جائے گی۔ ان دنوں نیتن یاہو غزہ کے خلاف نسل کشی کی جنگ مسلط کر رہے تھے۔ ان حالات میں ان کے بیانات کو سپریم کورٹ انصاف کی پامالی قرار دے رہی تھی۔

حکومت کے بہت سے انتہا پسند وزیر جن میں بزازیل سموٹریش، اتمار بن غفیر اور دیگر شامل تھے، وہ سپریم کورٹ پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ان کے خلاف صدر سپریم کورٹ کی حیثیت سے وہ حکومت کے حماس کے بارے میں الزامات پر سیاست کر رہے تھے اور پورے منصوبے کے تحت ایک غلط دعوے کی وکالت کر رہے تھے۔ وہ گزشتہ تین سالوں میں کورٹ کی جانب سے دیے گئے فیصلوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ وزرائے حکومت بار بار سپریم کورٹ کے ان فیصلوں کو متنازعہ بنا رہے تھے جو کورٹ نے اسرائیلی فوج کے اقدامات کے خلاف بطور خاص دیے تھے۔ صدر سپریم کورٹ کا موقف تھا کہ ان فیصلوں سے جمہوریت کو براہ راست خطرہ ہے اور اس دوڑ میں کنیسٹ کے ارکان بھی ملوث ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ عوام کے سامنے مسلسل جھوٹ بولا جائے اور غلط معلومات فراہم کی جائیں تو پھر حقیقت کو افسانے سے الگ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ صدر سپریم کورٹ کی حیثیت سے انہوں نے مزید کہا کہ ''کہیں سے سپریم کورٹ کے احکامات کی خلاف ورزی اور ایسے واقعات میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ پھر مقدمات کو قوت اور تشدد سے حل کرنے کا وطیرہ عام ہو جاتا ہے۔''

سپریم کورٹ کے صدر کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب حکومت غلط معلومات کی فراہمی کو کوئی عار نہیں بل کہ اپنی اضافی حکمت عملی بنا لیتی ہے تو پھر انقلابی اقدامات لیے جاتے ہیں۔ اس سے جسٹس سسٹم کی تباہی کا راستہ کھلتا جاتا ہے۔ یہی کچھ سپریم کورٹ کی ناک کے نیچے ہو رہا ہے۔ سپریم کورٹ کے صدر امیت آئزک کہتے آرہے ہیں کہ ''فیک معلومات'' کی مدد سے عوام اور عالمی سطح پر ایسے موقف پیش کیے جاتے ہیں جن سے تشدد مزید تباہ کن بن جاتا ہے۔ یہ عمل ہم غزہ، مغربی کنارے اور مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں فلسطینیوں کے خلاف تیز ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ ان اقدامات سے ایک اہم مسئلہ یہ پیدا ہو رہا ہے کہ عوام میں آنے

والے انتخابات کے شفاف ہونے کے بارے میں بھی شکوک وشبہات جنم لے رہے ہیں۔ انہوں نے مثال دے کر کہا کہ ان سے پہلے سپریم کورٹ کے صدر اوری وگل مین نے کہا تھا کہ جب وہ مرکزی الیکشن کمیشن کے صدر تھے کہ ٹیکنالوجی کا سہارا لے کر عوام کو حقیقی نمائندوں سے محروم کیا جارہا تھا۔ جب ایک بڑی اور ذمہ دار سطح سے فیک نیوز سازی اور جھوٹ کو وطیرہ بنالیا جاتا ہے تو جمہوری عمل میں عوام کی شرکت بے معنی ہو جاتی ہے۔

یہ بات بھی کہ گئی ہے کہ 2018ء میں اسرائیلی فوج کے مقدمے میں جو فیصلہ دیا گیا تھا، اس میں فوج کا مؤقف من وعن فیصلے کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔ اس میں فوج کی طرف سے داخل کیے گئے جواب کا فل سٹاپ یا کومہ تک تبدیل نہیں کیا گیا۔

دائیں بازو کے سیاست دان غلط طور پر بار بار الزامات لگا رہے تھے کہ فوج نے اوپن فائرنگ کے قواعد کے ذریعہ معاملات کو مزید اور زیادہ محدود کردیا ہے۔ یہ سب سپریم کورٹ کے 2018ء کے فیصلوں سے ہوا ہے جب کہ حقیقت اوپر بیان کی جاچکی ہے۔ اس طرح فوج کو مزید من مانی کرنے کے رجحان کی وزراء حمایت کررہے تھے۔ اس طرح سے حماس کو بار بار مجبور کیا جارہا تھا کہ وہ 7اکتوبر 2023ء کے اقدامات کرے۔

فوج اور اوپن فائرنگ قواعد دینے والے افسروں نے ان دعوؤں کو یکسر غلط قرار دیا تھا۔ سپریم کورٹ کے صدر نے یہ بھی کہا کہ یہی بائیں بازو کے وزیر غلط طور پر یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ وہ خود بخود سپریم کورٹ کے صدر بن گئے ہیں۔ یہ الزامات بھی ''فیک'' ہیں۔

سپریم کورٹ کے صدر امیت آئزک نے یاد دلایا کہ وزیر انصاف یاریف لیون کی سربراہی میں حکومت حکومت نے امیت آئزک کے صدر بننے کے خلاف عمل کو سبوتاژ کرنے کی پوری کوشش کی تھی جس میں ان سب کو مکمل طور پر پسپا ہونا پڑا تھا۔ ہائی کورٹ نے فیصلہ ان کے حق میں دیا تھا۔

امیت آئزک کے بیانات کے بارے میں حکومت کے مؤقف کو پیش کرتے ہوئے وزیر انصاف لیون نے دعویٰ کیا تھا کہ عوام کا اعتماد امیت کو حاصل نہیں ہے۔ لیون نے کہا کہ وہ سپریم کورٹ کے صدر کی حیثیت اختیار کر کے عوام کے حقوق کے تحفظ کے بالکل برعکس صدر بنے ہیں۔ حکومت اور کینیسٹ ان کے صدر بننے کے خلاف فیصلے دے چکے ہیں لیکن وہ کمال ڈھٹائی سے اس اہم عہدے پر کام کرتے آرہے ہیں۔ ان حلقوں کا کہنا ہے کہ عوام اور حکومت کے ان پر عدم اعتماد کی وجہ سے کام کرنے کے استحقاق سے مکمل طور پر محروم ہو چکے ہیں۔

جس پریس کانفرنس میں حکومت کے وزراء نے یہ بیانات دیے ان میں اٹارنی جنرل بہاریف میارا بھی شامل تھیں۔ انہوں نے قانون سازش کے دو مسودوں کا اس موقع پر حوالہ دیا جو کینیسٹ میں پیش کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک بل کے ذریعے اٹارنی جنرل کے اختیارات کو کم کیا جارہا تھا۔ دوسرے بل کے ذریعہ حکومت کو اضافی اختیارات دیے جارہے تھے جس سے پولیس کے تحقیقات کے داخلی عمل میں کسی مداخلت کا خاتمہ چاہتی تھی۔

اٹارنی جنرل میارا نے کہا کہ ماضی میں ایسے ہی واقعات سے ہم نے جمہوری اداروں کو ختم ہوتے دیکھا ہے۔ اب بھی ایک مہم چلائی جارہی ہے جس کا مقصد کینیست کی موجودہ میعاد کو قبل از وقت ختم کردیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ان دو مجوزہ بلوں کی منظوری سے اس رجحان کے خاتمے میں مدد ملے گی اور عوام کو علم ہوسکے گا کہ اس سلسلے میں صدر سپریم کورٹ کی رولنگ پر عمل درآمد ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ وزیر انصاف لیون نے اس پریس کانفرنس کے بعد ہائی کورٹ کے ایک فیصلے پر عمل درآمد کرنے سے انکار کردیا جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ جوڈیشنل سلیکشن کمیٹی کا اجلاس طلب کریں تاکہ ڈسٹرکٹ کورٹس میں ججوں کے تقرر کا عمل پورا کیا جاسکے۔

اسرائیلی سپریم کورٹ کے صدر جسٹس آئزک امیت اور اٹارنی جنرل گلی بہاریف میارا کے حالیہ بیانات اور اقدامات نے یہ واضح کردیا ہے کہ نیتن یاہو حکومت انتخابی فائدے اور اپنی من مانی کارروائیوں کو تحفظ دینے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتی ہے۔ وزیرِ انصاف یاریف لیون کی جانب سے ہائی کورٹ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے انکار، جوڈیشنل سلیکشن کمیٹی کا اجلاس نہ بلانا، اور کینیسٹ (پارلیمنٹ) میں اٹارنی جنرل کے اختیارات چھیننے کے لیے بل لانا، یہ سب اس فاشسٹ مائنڈ سیٹ کی عکاسی کرتے ہیں جو قانون کے ہر دائرے کو توڑنا چاہتا ہے۔

جب کسی ملک کی حکومت خود ''فیک نیوز'' کو اپنی اسٹریٹجی بنالے اور سپریم کورٹ کے احکامات کی سرِ عام خلاف ورزی شروع ہوجائے، تو بقول جسٹس آئزک امیت، سچ اور افسانے کا فرق مٹ جاتا ہے اور معاشرہ تشدد کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ انتہا پسند وزراء کے حملے اور عدلیہ کو بدنام کرنے کی یہ مہم ظاہر کرتی ہے کہ اسرائیل کا نام نہاد ''جمہوری ڈھانچہ'' اندر سے مکمل طور پر کھوکھلا ہو چکا ہے۔ آنے والے انتخابات کے شفاف ہونے پر خود اسرائیل کے اندر سے اٹھنے والے یہ شکوک وشبہات یہ ثابت کرتے ہیں کہ صیہونی ریاست اس وقت بیرونی محاذوں سے زیادہ اپنے ہی اداروں کی باہمی جنگ اور آئینی بکھراؤ کے ہاتھوں زوال کی طرف گامزن ہے۔

براہ راست رپورٹ: ایڈم جانسن

امریکی اکثریت اسرائیل مخالف ہو چکی ہے

50/50 کا مصنوعی بیانیہ: جب مرکزی دھارے کا میڈیا سچائی سے نظریں چرانے لگا

امریکہ کی داخلی سیاست میں خارجہ پالیسی، بالخصوص اسرائیل کی غیر مشروط حمایت، ہمیشہ سے ایک حساس موضوع رہی ہے۔ لیکن حالیہ برسوں میں، خاص طور پر غزہ اور لبنان میں جاری خونی مہم کے بعد، امریکی عوام بالخصوص ڈیموکریٹک پارٹی کے ووٹرز کی سوچ میں ایک تاریخی اور انقلابی تبدیلی آئی ہے۔ 'دی ڈراپ سائیٹ' کے ممتاز صحافی ایڈم جانسن کا یہ کالم امریکی میڈیا اور سیاسی مقتدرہ کے اس بھیانک تضاد کو بے نقاب کرتا ہے جہاں رائے عامہ یکطرفہ طور پر اسرائیل کے خلاف ہو چکی ہے، مگر میڈیا اسے اب بھی ''پارٹی کے اندرونی اختلافات'' کا نام دے کر سچائی پر پردہ ڈال رہا ہے۔ یہ کالم دستاویزی شواہد اور تازہ ترین سروے (Pulls) کی روشنی میں یہ ثابت کرتا ہے کہ اصل جنگ ڈیموکریٹک ووٹرز کے درمیان نہیں، بل کہ عام امریکی شہریوں اور واشنگٹن کی اس اشرافیہ کے درمیان ہے جو کارپوریٹ فنڈنگ اور اسلحہ ساز کمپنیوں کے مفادات کی اسیر ہے۔

جیسا کہ امریکہ میں اور بالخصوص لبرلز کے درمیان اسرائیل کا امیج اور پوزیشن تیزی سے تباہ ہو رہی ہے، مرکزی دھارے کا امریکی میڈیا اب مبہم طور پر اس پر توجہ دے رہا ہے۔ لیکن جب وہ اس تیزی سے بڑھتے ہوئے سیاسی تحرک پر رپورٹ کرتے ہیں تو قومی اشاعتیں مسلسل اسے ڈیموکریٹک ووٹرز کے درمیان ایک تناؤ کے طور پر پیش کرتی ہیں، بجائے اس کے کہ اسے ڈیموکریٹک ووٹرز اور ان کی پارٹی کی قیادت کے درمیان ایک تناؤ کے طور پر دکھایا جائے۔

نیویارک ٹائمز کی ایک حالیہ سرخی میں لکھا تھا: ''(AIPAC) پر ایک ڈیموکریٹ کا پینترا اسرائیل پر پارٹی کے اندرونی تناؤ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔'' رائٹرز کی ایک اور سرخی تھی: ''اسرائیل کے حق میں لابی کرنے والے گروپ پر تناؤ ڈیموکریٹک پرائمریز میں دراڑیں نمایاں کرتا ہے۔'' این بی سی نیوز (NBC News) نے پچھلے ہفتے رپورٹ کیا: ''غزہ میں اسرائیل کی فوجی مہم نے ڈیموکریٹس کے درمیان پہلے سے کہیں زیادہ گہری تقسیم پیدا کر دی ہے۔'' واشنگٹن پوسٹ نے رائے دی: ''امریکہ-اسرائیل اتحاد تیزی سے دوطرفہ اتفاقِ رائے سے ہٹ کر ایک ایسا متنازع مسئلہ (Wedge Issue) بن گیا ہے جو دونوں پارٹیوں کو تقسیم کر رہا ہے۔''

یہ تمام سرخیاں صرف پچھلے مہینے کی ہیں، لیکن یہ غلط مساوات اس سے بھی پرانی ہے۔ 'دی ہل' (The Hill) نے مارچ میں قارئین کو مطلع کیا: ''ڈیموکریٹک پرائمری ووٹرز اسرائیل کے معاملے پر تیزی سے تقسیم ہو رہے ہیں۔'' پولیٹیکو (Politico) نے جنوری کی ایک سرخی میں اعلان کیا: ''اسرائیل کے تناؤ نے ڈیمز کے مڈٹرم پلانز کو خطرے میں ڈال دیا ہے'' اور مضمون میں بات جاری رکھتے ہوئے لکھا: ''جس طرح ڈیموکریٹس سستی زندگی (Affordability) پر توجہ مرکوز کر کے اپنے پیر جما رہے ہیں، اسرائیل پر ان کے اختلافات انہیں بکھیرنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔'' سنکلیئر کے نیشنل نیوز ڈیسک نے پچھلے ہفتے رپورٹ کیا: ''نیویارک سٹی کی سالانہ اسرائیل ڈے پریڈ طویل عرصے سے

ایک دوطرفہ روایت سمجھی جاتی رہی ہے، لیکن اس سال یہ تقریباً اسرائیل پر ڈیموکریٹک پارٹی کے اندر بڑھتی ہوئی تقسیم کی علامت بن رہی ہے۔''

اس ''تناؤ''، ''تقسیم'' اور ''متقاطع مسئلے'' (Wedge Issue) کی فریم بندی کے ساتھ صرف ایک ہی مسئلہ ہے: کسی بھی پول (سروے) سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ ''تقسیم''، جو بھی ہے، اب ڈیموکریٹس یا لبرلز کے درمیان نہیں رہی بل کہ یہ ڈیموکریٹک پارٹی کے ووٹرز کی بھاری اکثریت (Supermajority) اور پارٹی قیادت کے درمیان ہے۔ جہاں ہاؤس مائنورٹی لیڈر حکیم جیفریز اور سینیٹ مائنورٹی لیڈر چک شومر جیسے پارٹی رہنما اور ڈیموکریٹک پارٹی کے بڑے بڑے ڈونرز (Donors) اسرائیل نواز ہیں، وہیں اصل ڈیموکریٹک ووٹرز حیران کن رفتار اور تسلسل کے ساتھ اسرائیل سے دور ہو چکے ہیں۔ آیئے ان سروے کے اعداد و شمار پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

اگست 2025ء کے کوئنی پیاک (Quinnipiac) پول کے مطابق، 77 فیصد ڈیموکریٹس کا ماننا ہے کہ اسرائیل غزہ میں نسل کشی کر رہا ہے، جب کہ صرف 11 فیصد کہتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں کر رہا۔

مئی 2026ء کے نیو یارک ٹائمز/ سیانا پول کے مطابق، 74 فیصد ڈیموکریٹس ''اسرائیل کو اضافی معاشی اور فوجی مدد فراہم کرنے'' کے مخالف ہیں، جب کہ صرف 20 فیصد اس کی حمایت کرتے ہیں۔

جون 2026ء کے انسٹی ٹیوٹ فار گلوبل افیئرز/ یوگو (YouGov) پول کے مطابق، 67 فیصد ڈیموکریٹس کا خیال ہے کہ اسرائیل کے ساتھ امریکی تعلقات امریکہ کو فائدے سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں اور صرف 5 فیصد کا خیال ہے کہ یہ نقصان سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔

مئی 2026ء کے این بی سی نیوز (NBC News) پول کے مطابق، 67 فیصد ڈیموکریٹس اب اسرائیلیوں (17 فیصد) کے مقابلے میں فلسطینیوں کے ساتھ زیادہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ صرف 13 فیصد ڈیموکریٹس اسرائیل کے بارے میں مثبت رائے رکھتے ہیں، جب کہ 57 فیصد کی رائے منفی ہے۔

اس 13 فیصد کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے جو کہ 2023ء میں اسرائیل کو مثبت نظر سے دیکھنے والے 34 فیصد ڈیموکریٹس کے مقابلے میں ایک بڑی گراوٹ ہے، یہ تعداد ان ڈیموکریٹس سے بھی کم ہے جو روایتی دائیں بازو (Right-wing) کے ان موقف کی حمایت کرتے ہیں جیسے:

سرکاری سکولوں میں اساتذہ کو بچوں کی عیسائی دعاؤں کی قیادت کرنے کی اجازت دینا (18 فیصد، پیو 2024ء)

تمام اسقاطِ حمل (Abortion) کو غیر قانونی بنانا (14 فیصد، پیو 2024ء)

سکولوں میں ایم ایم آر (MMR) ویکسین کو لازمی نہ کرنا (14 فیصد، پیو 2025ء)

میڈیا جائز طور پر ان تمام امور کو ریپبلکن یا قدامت پسند سوچ سے منسلک سمجھتا ہے۔ اس کے باوجود اسرائیل کی حمایت کو اب بھی ایک مین اسٹریم (مرکزی دھارے کی) لبرل قدر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اگر چہ اسے متنازع مانا جائے۔

حقیقت میں یہ اب بالکل لبرل قدر نہیں ہے: یہ حد سے زیادہ ایک ریپبلکن اور دائیں بازو کا نظریہ ہے جس کی ڈیموکریٹس کی بھاری اکثریت تائید نہیں کرتی۔ تو پھر امریکی میڈیا میں اس مسلسل گمراہ کن بیانیے کو برقرار رہنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟

اسرائیل اور اس کی حمایت میں امریکہ کے کردار پر ایک واضح تناؤ موجود ہے، جو ڈیموکریٹک سینیٹ کی مہمات سے لے کر ڈیموکریٹس کے مینوفیسٹو پر ہونے والی بحثوں تک، بڑے پیمانے پر سامنے آیا ہے۔ میڈیا کو اس تناؤ کو کور کرنا پڑتا ہے، لیکن اسے زیادہ درست طریقے سے بیان کرنا یعنی پارٹی اشرافیہ (Elites) اور عام ووٹرز (Rank and File) کے درمیان ایک تقسیم کے طور پر دکھانا ایک مشکل بیانیہ ہے، جس کے لیے گہرے طبقاتی اور مادی تجزیے کی ضرورت ہوتی ہے۔

چناں چہ اس کے بجائے اسے صرف ''پارٹی کی اندرونی تقسیم'' کے گمراہ کن اور عام سے لیبل کے تحت درج کر دیا جاتا ہے۔ قدرتی طور پر اسرائیل ووٹرز کے درمیان فلسطین کے حق میں 100 بمقابلہ 0 کا مسئلہ نہیں ہے، لیکن کوئی بھی مسئلہ اتنا یکطرفہ نہیں ہوتا۔ ڈیموکریٹس کی ایک اقلیت ہر قسم کی دائیں بازو کی آراء کی حمایت کرتی ہے۔ یہاں ان میں سے کچھ کا موازنہ اسرائیل۔فلسطین کے مسئلے کے ساتھ پیش ہے ان ڈیموکریٹس کا فیصد جو:

اسرائیل کو فوجی امداد بھیجنے کی حمایت کرتے ہیں:	20 فیصد
مانتے ہیں کہ اساتذہ کو سرکاری سکولوں میں بچوں کی عیسائی دعاؤں کی قیادت کی اجازت ہونی چاہیے:	18 فیصد
کہتے ہیں کہ تمام اسقاطِ حمل پر پابندی ہونی چاہیے:	14 فیصد
اسرائیل کے بارے میں مثبت رائے رکھتے ہیں:	13 فیصد
ہم جنس پرستوں کی شادی پر پابندی کی حمایت کرتے ہیں:	11 فیصد
مانتے ہیں کہ اسرائیل غزہ میں نسل کشی نہیں کر رہا:	11 فیصد
مانتے ہیں کہ ''2020ء کے الیکشن میں بڑے پیمانے پر ووٹر فراڈ'' کے ٹھوس شواہد موجود ہیں:	10 فیصد

پول (سروے) سیاسی عقائد کی کامل تصویر نہیں ہوتے اور کچھ حد تک متضاد بھی ہو سکتے ہیں (ان 2 فیصد ڈیموکریٹس کا پروفائل پڑھنا دلچسپ ہوگا جو یہ مانتے ہیں کہ اسرائیل نسل کشی کر رہا ہے اور پھر بھی اس ملک کے بارے میں مثبت رائے رکھتے ہیں)۔ لیکن گزشتہ تین سالوں اور خاص طور پر پچھلے چند مہینوں کے پولز ایک بالکل واضح رجحان دکھاتے ہیں کہ اسرائیل کی حمایت اب ڈیموکریٹس کے درمیان ایک تیزی سے سکڑتا ہوا اور حاشیائی عقیدہ بن چکا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ڈیموکریٹک ووٹرز کا اسرائیل سے بیزار ہونا کوئی فرقہ وارانہ معاملہ بھی نہیں ہے، کیوں کہ یہودی ڈیموکریٹس، خاص طور پر 35 سال سے کم عمر کے لوگ، مسلسل اسرائیل کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ اکتوبر کے واشنگٹن پوسٹ کے ایک پول میں نظر آیا کہ 18 سے 34 سال کی عمر کے یہودی امریکیوں میں سے صرف 36 فیصد نے اسرائیل کے ساتھ ''جذباتی لگاؤ'' کا دعویٰ کیا اور آدھے سے زیادہ اس وسیع لبرل اتفاقِ رائے سے متفق ہیں کہ اسرائیل نسل کشی کر رہا ہے۔

لیکن اگر ڈیموکریٹک قیادت اور پارٹی کو فنڈ دینے والوں کا اسرائیل کی آخر تک حمایت جاری رکھنا ہی آپ کا واحد پیمانہ ہو تو آپ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ عوامی جذبات میں کوئی تبدیلی آئی ہی نہیں ہے۔

یہ صورتحال لبنان میں اسرائیل کی بمباری اور قبضے کو ختم کرنے کے لیے امریکی حمایت کو روکنے کی خاطر 'وار پاورز ریزولوشن' (War Powers Resolution) کو آگے بڑھانے کی کوششوں پر بھی کھل کر سامنے آ رہی ہے۔ ایکسیوس (Axios) نے ''متعدد'' گمنام ''ہاؤس ڈیموکریٹس'' اور ''معاونین'' کا حوالہ دیتے ہوئے نمائندہ راشدہ

طلیب کی قیادت میں امریکی حمایت ختم کرنے کے بل کو ایک ایسی اشتعال انگیزی کے طور پر رنگ دینے کی کوشش کی جو ڈیموکریٹس کو تقسیم کر رہی ہے۔ رپورٹر اینڈریو سولینڈر نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا: ''ٹرمپ انتظامیہ کو لبنان کی جنگ میں اسرائیل کا ساتھ دینے سے روکنے کے لیے ہاؤس میں ہونے والی ایک آسنن ووٹنگ نے کچھ ڈیموکریٹس کو اس بات پر غصے میں دلایا کہ ان کا اپنا ہی ایک رکن انہیں ایک تکلیف دہ ووٹ دینے پر مجبور کر رہا ہے۔''

لیکن سولینڈر یہ بتانے میں ناکام رہے کہ طلیب کا بل ڈیموکریٹس کے درمیان بھاری اکثریت کا موقف ہے۔ عرب امریکن انسٹی ٹیوٹ کے ایک حالیہ سروے کے مطابق، 62 فیصد ڈیموکریٹس کا ماننا ہے کہ ''امریکہ کو اسرائیل پر جنوبی لبنان پر بمباری روکنے اور وہاں سے نکلنے کے لیے دباؤ بڑھانے کے لیے مزید اقدامات کرنے چاہئیں'' اور صرف 17 فیصد اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ طلیب کے بل کا جوہر تقریباً 4 اور 1 کے تناسب سے ڈیموکریٹک ووٹرز کا موقف ہے۔ اس کہانی میں تناؤ، جیسا کہ ہے، گمنام ''ڈیموکریٹک قیادت'' اور عام ڈیموکریٹس کے درمیان ہے۔ اور ہم یہ اس لیے جانتے ہیں کیوں کہ ایکسیوس کے مضمون میں وار پاورز ریزولوشن کی مخالفت کرنے والا ہر ایک ذریعہ گمنام تھا، جب کہ اس کی حمایت کرنے والے ہر شخص نے فخر کے ساتھ اپنے اقتباسات کے ساتھ اپنا نام دیا۔ یہ ہمیں اس بارے میں کیا بتاتا ہے کہ مشرقِ قریب (Levant) میں اسرائیل کے لامتناہی تشدد کے لیے عوامی حمایت کتنی مقبول ہے؟

ڈیموکریٹک قیادت اپنے بڑے ڈونرز (Big Donors) کی طرح پارٹی کے اندر موجود موجودہ جذبات سے مکمل طور پر کٹی ہوئی ہے۔

دریں اثنا امریکن اسرائیل پبلک افیئرز کمیٹی (AIPAC) اور دیگر اکثریتی اسرائیل نواز گروپ اس وجودی تبدیلی سے اچھی طرح واقف ہیں جو رونما ہو رہی ہے اور انہوں نے ریکارڈ سطح پر پرائمری انتخابات میں مداخلت کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ جیسا کہ سلج (Sludge) پر ڈونلڈ شا نے رپورٹ کیا، موجودہ مڈٹرم سائیکل میں ہی ''چار بڑی اسرائیل نواز کمیٹیوں AIPAC کی اپنی PAC، اس کا بیرونی اخراجات کا بازو یونائیٹڈ ڈیموکریسی پروجیکٹ (UDP)، ڈیموکریٹک میجورٹی فار اسرائیل (DMFI) سپر پی اے سی اور ریپبلکن جیویش کوالیشن کے وکٹری فنڈ نے ملک بھر میں کانگریس کی ریسوں میں تقریباً 50 ملین ڈالر جھونک دیے ہیں۔'' AIPAC سے پیسہ لینا اب ڈیموکریٹس کے لیے سیاسی طور پر اتنا زہریلا ہو چکا ہے کہ یہ لابی گروپ اپنے پسندیدہ امیدواروں کو فنڈز منتقل کرنے کے لیے شیل تنظیموں (فرضی کمپنیوں) کا ایک پیچیدہ جال استعمال کر رہا ہے۔ پھر بھی، AIPAC پہلے سے کہیں زیادہ بڑے پیمانے پر مڈٹرم انتخابات کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کے اتحادی سپر پی اے سی کے پاس تقریباً 100 ملین ڈالر کا حیران کن فنڈ موجود ہے، جو 2022ء میں 35 ملین ڈالر تھا، جب AIPAC نے پہلی بار کانگریس کی مہمات میں براہ راست فنڈنگ شروع کی تھی۔ تب سے اب تک، اس نے 221 ملین ڈالر سے زیادہ رقم خرچ کی ہے، جس میں 2026ء کے مڈٹرمز کے لیے مختص کیے گئے 100 ملین ڈالر شامل نہیں ہیں۔

ملک کے دو سب سے طاقتور ڈیموکریٹس، جیفریز اور شومر، اپنی پارٹی میں آنے والی بڑی تبدیلی کے باوجود اسرائیل کے ممتاز اور مستقل حامی ہیں۔ پچھلے الیکشن سائیکل میں 435 ووٹنگ ممبران میں سے جیفریز ہاؤس میں اسرائیل نواز پیسہ حاصل کرنے والے سب سے بڑے وصول کنندہ تھے۔

شومر، جنہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ ان کا ''کام'' بائیں بازو کو 'اسرائیل نواز رکھنا'' ہے، نے پچھلا ہفتہ اسرائیل نواز پریڈ میں جنگی مجرموں اور خود ساختہ ''فاشسٹوں'' کے ساتھ مارچ کرتے ہوئے گزارا۔ قیادت اپنے بڑے فنڈرز کی طرح پارٹی کے اندر موجود موجودہ جذبات سے مکمل طور پر کٹی ہوئی ہے۔

اس ''دراڑ'' کو بڑھانے کے پیچھے صرف اسرائیل نواز ڈونرز ہی نہیں ہیں۔ اسرائیل کی حمایت اور اس کی فوج کو لامتناہی طور پر مسلح کرنا وسیع تر امریکی ملٹری-انڈسٹریل کمپلیکس (دفاعی صنعت) کے لیے ایک چاندی کا چمچہ رہا ہے، جو واشنگٹن کے اتفاقِ رائے پر قابض ہے۔ 7 اکتوبر 2023ء سے اب تک اسرائیل کو ملنے والی تقریباً 22 ارب ڈالر کی فوجی امداد کا تقریباً 75 فیصد حصہ خود امریکی اسلحہ ساز کمپنیوں کے پاس گیا ہے، جو خود لابی کرنے والوں اور تھنک ٹینکوں کی ایک فوج کو ملازمت دیتے ہیں تاکہ اسرائیل اور اس کی پھیلتی ہوئی، بظاہر کبھی نہ ختم ہونے والی توسیع پسندی اور بڑے پیمانے پر ہونے والے تشدد کو فروغ دیا جا سکے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ 77 فیصد ڈیموکریٹک ووٹرز کہتے ہیں کہ اسرائیل نے غزہ میں نسل کشی کی ہے، کانگریس میں صرف 8.5 فیصد ڈیموکریٹس نے ایسا کہا ہے۔ اس کے باوجود کہ ڈیموکریٹک ووٹرز 4 اور 1 کے تناسب سے اسرائیل کے مقابلے میں فلسطین کے ساتھ زیادہ ہمدردی رکھتے ہیں، کانگریس میں ان ڈیموکریٹس کی تعداد جو فلسطینیوں کے حقوق کو اسرائیل کے مفادات پر مقدم رکھتے ہیں، غالباً ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ اسرائیلی میڈیا کب تک یہ ظاہر کرتا رہے گا کہ ڈیموکریٹس کے درمیان کوئی بامعنی اختلاف موجود ہے، جب کہ عام ووٹرز کے درمیان یہ مسئلہ سکولوں میں دعا، اسقاطِ حمل اور موسمیاتی تبدیلی کی طرح مکمل طور پر طے پا چکا ہے؟

جیسا کہ ڈیموکریٹک ووٹرز کی مرضی اور اس کی قیادت کے درمیان خلیج زیادہ سے زیادہ عیاں ہو رہی ہے، ہمارا میڈیا اس کے اصل ماخذ کی نشاندہی کیے بغیر مبہم طور پر اس ''تقسیم'' کا اعتراف کرتا رہے گا۔ یہ تقسیم خود ووٹرز کے درمیان نہیں ہے، جن کی آراء ناپنے کے قابل اور مستقل ہیں، بل کہ یہ ووٹرز اور ان رہنماؤں کے درمیان ہے جنہیں انہوں نے نظریاتی طور پر اپنے مفادات کی نمائندگی کے لیے منتخب کیا تھا۔

ایڈم جانسن کا یہ موازنہ اور تجزیہ واشنگٹن کی سیاست کے اس تاریک پہلو کو عیاں کرتا ہے جسے عام طور پر ''جمہوریت'' کا نام دیا جاتا ہے، مگر عملاً وہ ایک ''سرمایہ دارانہ نظام'' (Oligarchy) بن چکی ہے۔ جب کسی پارٹی کے 77 فیصد ووٹرز ایک ریاست کو نسل کشی کا مرتکب قرار دیں اور اسی پارٹی کی قیادت (جیسے چک شومر اور حکیم جیفریز) اسرائیل نواز لابیوں (AIPAC) سے کروڑوں ڈالر کا فنڈ لے کر انہی قاتلوں کے ساتھ پریڈوں میں مارچ کریں تو یہ تقسیم رائے کی نہیں بل کہ اخلاقیات کی تقسیم ہے۔ میڈیا کا اسے 'پارٹی اختلافات' کہنا محض ایک زبانی چالاکی ہے تاکہ اس مادی اور طبقاتی خلیج کو چھپایا جا سکے جو عوام اور ان کے منتخب نمائندوں کے درمیان پیدا ہو چکی ہے۔ یہ کالم اس تلخ سچائی پر ختم ہوتا ہے کہ جب تک امریکی انتخابی نظام سے لابیوں کے اربوں ڈالر اور دفاعی صنعت (Military-Industrial Complex) کا اثر و رسوخ ختم نہیں ہوتا، تب تک واشنگٹن کا ایوان عوام کی آواز کا مقتل اور مظلوموں پر گرنے والے بموں کا کفیل بنا رہے گا۔

پیش منظر: افتخار گیلانی

برجن سٹاک کے بند کمرے، تہران کا جشن اور تل ابیب کا ماتم

سوئٹزرلینڈ کی جھیل لوسرن پر فجر سے کچھ دیر پہلے ہی بارش تھم چکی تھی۔ پانی کی سطح سے کافی بلندی پر واقع برجن سٹاک ریزورٹ کی بالکونیوں سے سفارت کار الپس کے پہاڑوں پر نمودار ہونے والی پہلی کرن کو دیکھ سکتے تھے۔

تاہم، شیشے اور اسٹیل سے بنے کانفرنس کمپلیکس کے اندر، مناظر کی تعریف کے لیے وقت بہت کم تھا۔ کافی کے کپ، مسودات اور نشان زدہ بریفنگ پیپرز ان میزوں پر بکھرے پڑے تھے جہاں مذاکرات کاروں نے مشرق وسطیٰ کو ایک وسیع تر جنگ میں دھکیلنے سے روکنے کی کوشش میں تقریباً 18 گھنٹے گزارے تھے۔

گزشتہ 22 جون کی صبح سویرے تک، پاکستان اور قطر کے تھکے ہارے ثالث امریکی اور ایرانی وفود کے درمیان ایسے پیغامات لے کر آ جا رہے تھے جو یہ طے کر سکتے تھے کہ یہ خطہ سفارت کاری کی طرف بڑھے گا یا پھر کشیدگی کے ایک اور دور کی طرف۔ یہ مذاکرات پہلے ہی کئی ایسے لمحات کا سامنا کر چکے تھے جہاں ان کے ناکام ہونے کا خطرہ بالکل سر پر منڈلا رہا تھا۔

ایک موقع پر، امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے عوامی بیانات کے بعد ایرانی حکام نے مذاکرات میں اپنی شرکت معطل کرنے کی دھمکی دی، جس میں انہوں نے تہران کو خبردار کیا تھا کہ اگر اس نے آبنائے ہرمز کو بلاک کیا اور حزب اللہ کو نہ روکا تو اسے فوجی نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ایرانی وزارتِ خارجہ کے ترجمان اسماعیل بقائی نے بعد میں تصدیق کی کہ ایران، امریکہ اور ثالثوں کے درمیان ابتدائی چہار فریقی سیشن کے بعد، براہ راست بات چیت بند ہو گئی اور رابطہ صرف ثالثوں کے ذریعے ہی جاری رہا۔

اندرونی ذرائع نے بتایا کہ مقامی وقت کے مطابق رات 2 بجے کے بعد تک، تقریباً 18 تھکا دینے والے گھنٹوں کے دوران، قطری وزیر اعظم شیخ محمد بن عبدالرحمن بن جاسم الثانی، پاکستانی وزیر اعظم شہباز شریف اور پاکستان کے آرمی چیف، فیلڈ مارشل عاصم منیر، بمشکل اپنی جگہوں سے ہٹے۔ ان تینوں افراد نے رات کا بیشتر حصہ سات منزلہ برجن سٹاک ریزورٹ کے فلورز کے چکر کاٹنے، پیغامات پہنچانے، تعطل کو دور کرنے اور مذاکرات کو ناکام ہونے سے بچانے کی کوششوں میں گزارا۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ محض جوہری سفارت کاری کا ایک اور دور نہیں تھا۔ یہ اس ڈرامائی جغرافیائی سیاسی تبدیلی کا دوسرا حصہ تھا جس کا آغاز 17 جون کی آدھی رات کو دستخط کیے جانے والے امریکہ-ایران مفاہمت کی یادداشت (ایم او یو) سے ہوا تھا، اور سوئٹزرلینڈ میں ایک وسیع تر سیاسی فریم ورک کے خاکے کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچا۔

ان مذاکرات نے پابندیوں میں نرمی، جوہری مسائل، تعمیرِ نو اور عمل درآمد پر ورکنگ گروپس قائم کیے، جبکہ حتمی معاہدے کی طرف ساٹھ دن کا راستہ بھی کھول دیا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اس سے کہیں بڑی حقیقت کو بے نقاب کیا۔ وہ جنگ، جو ایران کو کمزور کرنے کی کوشش کے طور پر شروع ہوئی تھی، اس نے خود واشنگٹن کو ان تزویراتی (اسٹریٹجک) مفروضوں پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر کے دم لیا جنہوں نے

دہائیوں سے اس کی مشرق وسطیٰ کی پالیسی کو تشکیل دیا تھا۔

خیر اس اٹھارہ گھنٹے کی اس میراتھن کا نتیجہ ایک ایسے 60 روزہ روڈ میپ کی صورت میں نکلا جس نے فی الحال ایک بڑی عالمی تباہی کو ٹال دیا ہے۔ اس سے قبل جب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور ایرانی صدر مسعود پزشکیان نے پچھلی بدھ کی آدھی رات کو قرارداد مفاہمت پر الیکٹرانک دستخط کیے تو تہران کی فضاؤں میں سائرن کی آوازیں گونجیں، لیکن یہ کسی فضائی حملے کا الارم نہیں تھا، بلکہ مہینوں کے خوف اور معاشی جمود کے بعد، ایرانی نوجوان اپنی گاڑیوں کی کھڑکیوں سے باہر نکل کر ایرانی پرچم لہرا رہے تھے۔

یہ جشن ایک ہولناک اور وجودی بقا کی جنگ سے بچ نکلنے کا سکون تھا۔ تہران کے ایک بوڑھے تاجر رضا کے مطابق ان کو معلوم ہے کہ یہ معاہدہ کوئی مستقل امن نہیں ہے اور امریکہ پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ کچھ کم ہے کہ کم از کم ہم زندہ ہیں۔ ’’بمباری رک گئی ہے اور ایران اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔‘‘

دوسری طرف تہران سے تقریباً 1500 کلومیٹر دور، اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب اور خاص طور پر رابن اسکوائر کے قریبی کیفے میں ماحول اس کے بالکل برعکس تھا۔ اسرائیلیوں کے چہروں پر چھائی ہوائیاں واضح دیکھی جا سکتی تھیں۔ وہاں گفتگو کا رخ اس معاہدے کے نکات پر کم اور واشنگٹن کی طرف سے ملنے والے ’دھوکے‘ پر زیادہ تھا۔ اسرائیلی فوج کے ایک ریزرو افسر ایال، جو حال ہی میں شمالی محاذ سے ڈیوٹی ختم کر کے لوٹے تھے، اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کو کوس رہے تھے۔

’’وہ (نیتن یاہو) ہمیں بتا رہے تھے کہ ایران کا ایٹمی پروگرام ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا اور آیت اللہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔ لیکن آج کا دن دیکھو! ایران کا ایٹمی ڈھانچہ جوں کا توں ہے، اس کے پاس یورینیم کا ذخیرہ موجود ہے، حزب اللہ کی قیادت اب بھی سرگرم ہے اور صدر ٹرمپ نے ہمارے تحفظ کو پسِ پشت ڈال کر تہران کے ساتھ تیل کی ڈیل کر لی۔ یہ ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا گیا ہے۔‘‘

وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو کے کٹر حامیوں کے لیے یہ معاہدہ ایک ڈراؤنا خواب ثابت ہوا ہے۔ وہ جنگ کو صرف ایک فوجی مہم نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ ایک ایسے عظیم تزویراتی منصوبے کا حصہ مان رہے تھے جس کے بعد مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی بالادستی پر کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اب، جب ٹرمپ نے اچانک اپنا راستہ بدلا تو نیتن یاہو کا وہ پورا بیانیہ ملبے کا ڈھیر بن گیا جس پر وہ اپنی سیاست چمکا رہے تھے۔

اس پورے سفارتی کھیل کا سب سے بڑا موڑ اور ایران کی سب سے بڑی کامیابی ’آبنائے ہرمز کو بطور تزویراتی ہتھیار‘ استعمال کرنا تھا۔ جب جنگ کے دوران ایران پر دباؤ حد سے بڑھا تو تہران نے اپنی روایتی میزائل پاور کے ساتھ ساتھ دنیا کی سب سے نازک معاشی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

آبنائے ہرمز سے روزانہ دنیا بھر کے تیل کی کل سپلائی کا تقریباً 20 سے 30 فیصد گزرتا ہے۔ جب ایرانی پاسدارانِ انقلاب نے خلیج میں جہاز رانی کو روکنے اور آبنائے ہرمز کو بند کرنے کا عملی پتا کھیلا تو عالمی انرجی مارکیٹ میں کھلبلی مچ گئی۔ نیو یارک اور لندن کی سٹاک ایکسچینج میں خام تیل کی قیمتیں چند گھنٹوں میں اس سطح پر پہنچ گئیں جہاں سے عالمی معیشت کا کساد بازاری میں جانا یقینی تھا۔

واشنگٹن کے باخبر ذرائع کے مطابق، وائٹ ہاؤس کے معاشی مشیروں نے صدر ٹرمپ کو ایک انتہائی خفیہ بریفنگ دی، جس میں بتایا گیا کہ امریکہ کے پاس موجود ’اسٹریٹجک پیٹرولیم ریزرو‘ اور عالمی اتحادیوں کے ذخائر صرف چند ہفتوں کے تعطل کو برداشت کر سکتے ہیں۔ اگر آبنائے ہرمز مزید دس دن بند رہتی تو امریکہ میں گیسولین کی قیمتیں دوگنی ہو جاتیں، جس کا سارا ملبہ نومبر میں ہونے والے امریکی مڈٹرم الیکشن پر گرتا۔

ٹرمپ نے بعد میں خود اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا: ’’دنیا معاشی طور پر الٹ پلٹ ہو جاتی۔ اگر ہم اس راستے پر چلتے رہتے تو ہمارے اپنے ملک کے اندر پیٹرول پمپوں پر لائنیں لگ جاتیں اور امریکی معیشت تباہ ہو جاتی۔‘‘

یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جہاں نیتن یاہو کا مشرق وسطیٰ کو فوجی طاقت سے بدلنے کا خواب ٹرمپ کے امریکی ووٹر کو مطمئن رکھنے کی ضرورت سے ٹکرا گیا۔ ٹرمپ نے ایک تاجر کی طرح نفع اور نقصان کا حساب لگایا اور اسرائیل کی نظریاتی جنگ پر امریکی معیشت کی بقا کو ترجیح دی۔

برجن سٹاک ریزورٹ کے پریس ہال میں پیر کی صبح جب پاکستان اور قطر کے وزرائے خارجہ نے مشترکہ اعلامیہ پڑھ کر سنایا تو بین الاقوامی امور کے ماہرین نے اس دستاویز کی ایک ایک سطر کا باریک بینی سے جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ محض ایک روایتی جنگ بندی یا عارضی معاہدہ نہیں تھا بلکہ ایک طے شدہ اسٹریٹجک فریم ورک تھا جس نے مشرق وسطیٰ میں طاقت کے توازن کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

اس مشترکہ اعلامیے میں جس لچک اور سفارتی باریکی کا مظاہرہ کیا گیا، اس کی توقع چند روز قبل تک کوئی نہیں کر رہا تھا۔ معاہدے کا سب سے اہم اور فوری قابل عمل حصہ وہ 60 روزہ روڈ میپ ہے، جس کے تحت دونوں فریقین نے اگلے دو ماہ کے اندر ایک حتمی اور جامع جوہری معاہدے تک پہنچنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔

اس عبوری دورانیے کا مقصد دونوں ممالک کے تکنیکی ماہرین کو یہ موقع فراہم کرنا ہے کہ وہ یورینیم کے ذخائر اور پابندیوں کے خاتمے کی باریکیوں پر تفصیلی بحث کر سکیں۔ سب سے بڑا بریک تھرو ایران کی جانب سے اقوام متحدہ کے ایٹمی توانائی کے عالمی ادارے (آئی اے ای اے) کے انسپکٹرز کو اپنی تنصیبات میں فوری طور پر واپس بلانے کا اصولی فیصلہ تھا۔

وائٹ ہاؤس کے ایلچی اسٹیو وٹکوف نے امریکی حکام کو ایک بند کمرے کی بریفنگ میں بتایا کہ تہران نے نہ صرف معائنہ کاروں کی واپسی پر آمادگی ظاہر کی ہے، بلکہ افزودہ کیے گئے مواد کی درجہ بندی اور نگرانی کے نئے طریقہ کار پر بھی رضامندی دی ہے۔

امریکی نائب صدر جے ڈی وینس نے واشنگٹن روانگی سے قبل صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے دعویٰ کیا، ’’نیوکلیئر انسپکشن کا عمل بہت جلد یہاں تک کہ چند گھنٹوں کے اندر شروع ہو سکتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایران اس بار مذاکرات میں سنجیدہ ہے۔‘‘

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ایران افزودہ یورینیم امریکہ کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کے متبادل راستے ڈھونڈے جا رہے ہیں۔

اس عمل کی نگرانی کے لیے ایک ’ہائی لیول پولیٹیکل اوورسائٹ کمیٹی‘ قائم کی گئی ہے جو براہ راست دونوں ممالک کی اعلیٰ سیاسی قیادت کو جوابدہ ہوگی۔

اس کمیٹی کے ماتحت تین ورکنگ گروپس کام کریں گے، پہلا ایٹمی فائل پر، دوسرا پابندیوں کے خاتمے پر اور تیسرا تنازعات کے حل کے طریقہ کار پر۔ اگرچہ ایٹمی پروگرام اس پورے تنازعہ کا مرکزی نقطہ دکھائی دیتا تھا لیکن برجن سٹاک میں ہونے والی گفتگو کا ایک بڑا حصہ لبنان میں جاری زمینی جنگ اور حزب اللہ و اسرائیلی افواج کے درمیان ہونے والے خونریز تصادم کے گرد گھومتا رہا۔

ایک ثالث ملک کے سفارت کار کے مطابق لبنان کے موضوع پر ہونے والی بحث اس قدر 'شدید اور تناؤ سے بھرپور' تھی کہ کئی بار ایسا لگا کہ مذاکرات معطل ہو جائیں گے۔ ایران نے اصرار کیا کہ جب تک لبنان پر اسرائیلی حملے بند نہیں ہوتے اور تہران کو اس کی سکیورٹی کی ضمانت نہیں ملتی، وہ آبنائے ہرمز کو تجارتی جہاز رانی کے لیے مکمل طور پر کھولنے کا حکم جاری نہیں کرے گا۔

اس گرہ کو کھولنے کے لیے ایک غیر معمولی اسٹریٹجک فیصلہ کیا گیا، جسے مشترکہ اعلامیے میں لبنان ڈی کانفلکشن سیل کا نام دیا گیا ہے۔ اس سیل کا مقصد صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور ایرانی صدر مسعود پزشکیان کے درمیان دستخط شدہ اسلام آباد مفاہمت نامے کے تحت لبنان میں فوجی کارروائیوں کے مکمل خاتمے کی نگرانی کرنا ہے۔

لیکن اس پورے میکانزم کی سب سے حیران کن بات اس کی رکنیت ہے۔ اس سیل میں امریکہ، ایران، پاکستان، قطر اور لبنانی حکومت شامل ہے۔ یہ مشرق وسطیٰ کی تاریخ کا شاید پہلا واقعہ ہے کہ اسرائیل کی سرحد پر ہونے والی جنگ بندی اور سکیورٹی انتظامات کے فیصلے واشنگٹن اور تہران مل کر کر رہے ہیں اور اس میں تل ابیب کو شامل مشورہ تک نہیں کیا گیا۔ یہ وہ نکتہ ہے جس نے اسرائیلی سکیورٹی اسٹیبلشمنٹ کے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجادی ہیں۔

اسرائیل کے مقتدر ترین اخبار 'ہارتز' کے سینئر کالم نگار گڈیون لیوی نے اس صورتحال کا ایک انتہائی گہرا تجزیہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ 'ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ واشنگٹن کا اسرائیل کے ساتھ اتحاد ہمیشہ غیر مشروط نہیں ہوتا۔ جب امریکی صدر کو اپنے ملک کے اندر پٹرول کی قیمتوں، مہنگائی اور انتخابات میں شکست کا خوف ستاتا ہے تو وہ تل ابیب کے سکیورٹی خدشات کو ایک طرف رکھنے میں دیر نہیں کرتا۔ یہ معاہدہ اسرائیل کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت کے بل بوتے پر پورے خطے کو مستقل جنگ کی آگ میں نہیں جھونک سکتا۔' اسرائیلی سکیورٹی اسٹیبلشمنٹ کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے جو پشیمانی ظاہر کی وہ پوری اسرائیلی قیادت کی اندرونی کہانی سناتی ہے، 'اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اس فوجی مہم جوئی کا آخری نتیجہ تہران کو معاشی ریلیف اور واشنگٹن کے ساتھ اس کی براہِ راست ڈیل کی صورت میں نکلے گا تو ہم شاید اس جنگ کا آغاز ہی نہ کرتے۔'

اس معاہدے کی کامیابی کے پیچھے دوحہ اور اسلام آباد کی مہینوں پر محیط خاموش سفارت کاری اور شٹل ڈپلومیسی کا بڑا ہاتھ ہے۔ قطر نے روایتی طور پر مالیاتی اور سفارتی چینلز فراہم کیے، جبکہ پاکستان نے اپنے تزویراتی تعلقات اور علاقائی اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے تہران اور واشنگٹن کے درمیان اعتماد کی بحالی میں پل کا کردار ادا کیا۔

سفارتی ذرائع کا کہنا ہے کہ 'اسلام آباد مفاہمت نامہ' دراصل اس پورے عمل کی بنیاد تھا، جس کے تحت دونوں ممالک نے پہلے ہی الیکٹرانک دستخطوں کے ذریعے ایک دوسرے پر حملے نہ کرنے اور مذاکرات کی میز پر آنے کا عہد کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سوئس ریزورٹ میں ٹرمپ کے بیانات کی وجہ سے تعطل پیدا ہوا تو پاکستانی اور قطری سفارت کاروں نے تہران اور واشنگٹن میں موجود اعلیٰ ترین فیصلہ سازوں سے براہ راست رابطے کر کے اس بحران کو سنبھالا۔

برجن سٹاک ریزورٹ کے مشترکہ اعلامیے کے بعد جہاں واشنگٹن اور تل ابیب کے مابین تلخیاں ابھر کر سامنے آئیں، وہیں اس معاہدے کے اثرات نے خلیج فارس کے اُمراء اور عرب دارالحکومتوں کو بھی ایک نئی سوچ اپنانے پر مجبور کر دیا ہے۔

دہائیوں سے خلیج کی سکیورٹی کا پورا ڈھانچہ اس مفروضے پر قائم تھا کہ امریکی فوجی طاقت خطے میں عرب مفادات اور توانائی کی سپلائی لائنز کی حفاظت کی حتمی ضامن ہے۔

تاہم حالیہ ہولناک تنازع اور آبنائے ہرمز کی عارضی ناکہ بندی نے یہ ثابت کر دیا کہ ایران کے پاس اس امریکی مانیٹرنگ اور سکیورٹی انفراسٹرکچر کے باوجود عالمی معیشت کو مفلوج کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔ 7 اکتوبر 2023 کے واقعات سے قبل، واشنگٹن اور تل ابیب کا مشترکہ تزویراتی منصوبہ یہ تھا کہ ابراہیمی معاہدات کا دائرہ وسیع کر کے اس میں سعودی عرب کو شامل کیا جائے۔ اس منصوبے کا بنیادی مقصد ایک ایسا اسرائیل مرکز سکیورٹی نیٹ ورک بنانا تھا جو ایران کو خطے میں سیاسی، معاشی اور فوجی طور پر مکمل الگ تھلگ کر دے۔

متحدہ عرب امارات، بحرین اور مراکش کے بعد سعودی عرب کی شمولیت کو اس منصوبے کی حتمی فتح سمجھا جا رہا تھا۔ تاہم حالیہ جنگ کی ہولناکیوں، غزہ کی تباہی اور بالآخر امریکہ کی ایران کے ساتھ اس براہِ راست ڈیل نے اس پورے اسٹریٹجک کارڈ کو الٹ کر رکھ دیا۔

دوحہ کے ایک سینئر افسر نے خلیج کے عوامی اور حکومتی جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے کہا، 'خطے کے لوگوں کو اچانک یہ احساس ہوا ہے کہ خلیج کتنی غیر محفوظ ہے۔ دہائیوں سے ہم سمجھتے تھے کہ ہماری خوشحالی اور سکیورٹی دائمی ہیں۔ لیکن اس جنگ نے دکھا دیا کہ جب ہرمز بند ہوتا ہے اور انشورنس کی قیمتیں بڑھتی ہیں تو دوحہ اور دبئی کے چمکتے ہوئے ایئرپورٹس اور تجارتی مراکز چند دنوں میں ویران ہو سکتے ہیں۔'

یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب اور مصر جیسے بڑے کھلاڑیوں نے اس بحران کے دوران تل

ابیب کا ساتھ دینے کے بجائے مسلسل کشیدگی میں کمی پر زور دیا۔

خلیجی ممالک اب یہ جان چکے ہیں کہ ایران کو خطے سے مٹایا نہیں جا سکتا، وہ ایک مستقل جغرافیائی حقیقت ہے۔ چناں چہ ایران کو مستقل دیوار سے لگانے کی پالیسی کے بجائے، اب عرب ممالک تہران کے ساتھ بقائے باہمی اور سفارتی مکالمے کو زیادہ پائیدار آپشن سمجھ رہے ہیں۔ ابراہیمی معاہدات کا وہ خواب، جس کے تحت اسرائیل کو پورے خطے کا چوہدری بنانا مقصود تھا، اب تاریخ کے سرد خانے کی نذر ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

دوسری طرف اگرچہ تہران کی گلیوں میں معاشی پابندیوں کے عارضی خاتمے اور تیل کی فروخت کی اجازت پر عام لوگ مطمئن نظر آ رہے ہیں اور صدر مسعود پزشکیان اور سابق وزیر خارجہ محمد جواد ظریف اسے تاریخی فتح قرار دے رہے ہیں، لیکن تہران کے سیاسی ایوانوں کے اندر سب کچھ پر سکون نہیں ہے۔ اس سوئس معاہدے نے ایران کے سخت گیر قدامت پسند بلاک کے اندر ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے۔

ایران کے بااثر ترین سخت گیر اخبار 'کیہان' نے اپنے اداریے میں خبردار کیا ہے کہ ایرانی وفد نے عارضی معاشی فوائد اور محض 60 دن کے آئل لائسنس کے بدلے اپنے قیمتی تزویراتی پتے داؤ پر لگا دیے ہیں۔

کئی ارکان پارلیمنٹ نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آئی اے ای اے کے انسپکٹرز کو دوبارہ ایٹمی سائٹس تک رسائی دینا 2015 کے جے سی پی او اے کی غلطیوں کو دہرانے کے مترادف ہو سکتا ہے، جس سے امریکہ کو دوبارہ جاسوسی کا موقع ملے گا۔ ایرانی اسٹیبلشمنٹ کے اندر یہ بحث اس گہرے تضاد کو ظاہر کرتی ہے کہ تہران کس طرح ایک طرف اپنے انقلابی نظریات اور سکیورٹی کارڈز کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور دوسری طرف ایک عملی ڈیل کرنے پر مجبور ہے۔

برجن سٹاک کا یہ مفاہمت نامہ بین الاقوامی سیاست میں آنے والی اس بڑی تبدیلی کی ایک واضح مثال ہے جسے ماہرین 'کثیر القطبی نظام' یا ملٹی پولر ورلڈ کہتے ہیں۔ اب وہ دور گزر چکا جب مشرقِ وسطیٰ کے تمام اہم فیصلوں کی ڈوریاں صرف وائٹ ہاؤس سے ہلائی جاتی تھیں۔ اس بار جب بحران سنگین ہوا، تو قطر، پاکستان اور ترکیہ جیسے علاقائی کھلاڑیوں نے فرنٹ سیٹ سنبھالی۔

سابق ہندوستانی خارجہ سیکرٹری نروپما راؤ نے اس بدلتے ہوئے منظر نامے پر ایک انتہائی اہم نکتہ اٹھایا کہ اب درمیانی درجے کی علاقائی طاقتیں ان تنازعات کے نتائج کو وضع کر رہی ہیں جن کا فیصلہ ماضی میں صرف سپر پاورز کیا کرتی تھیں۔

پاکستان کی جانب سے اس پورے عمل میں ثالثی اور 'لبنان ڈی کانفلکشن سیل' میں شمولیت یہ ثابت کرتی ہے کہ اسلام آباد کا سکیورٹی اور سفارتی کردار مشرق وسطیٰ کے لیے کتنا ناگزیر ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کا یہ نیا رخ کم نظریاتی، زیادہ کاروباری اور علاقائی استحکام پر مرکوز ہے۔ خلیج کے پانیوں میں اب امریکی بالادستی کے سائے دھندلا رہے ہیں اور خطے کے ممالک اپنے تحفظ کے لیے نئی شراکت داریاں قائم کر رہے ہیں۔

برجن سٹاک ریزورٹ دستاویز کی سب سے بڑی اور المناک خاموشی اس خطے کے سب سے خون آلود محاذ پر ہے۔ سوئس جھیل کے پرسکون کنارے جب سفارت کار کافی کے مگ ہاتھوں میں لیے مسکرا رہے تھے، اس وقت بھی غزہ کی پٹی پر بارود کی بو اور معصوم بچوں کی چیخیں تھمی نہیں تھیں۔ یہ اس معاہدے کا وہ تاریک پہلو ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ عالمی سیاست میں بڑی طاقتیں جب اپنے مفادات کا سودا کرتی ہیں تو کمزوروں کے حقوق اکثر پسِ پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔

سفارتی ذرائع کے مطابق ایرانی وفد نے مذاکرات کے ابتدائی سیشنز میں غزہ میں فوری جنگ بندی، انسانی امداد کی بلا روک ٹوک فراہمی اور اسرائیلی افواج کے مکمل انخلا کا معاملہ اٹھایا تھا۔ تاہم امریکی وفد بالخصوص جیرڈ کشنر اور جے ڈی وینس نے اس پر کسی بھی قسم کی حتمی شق کو شامل کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

امریکہ کا مؤقف تھا کہ غزہ کے معاملہ پر پہلے ہی ایک ڈیل ہو چکی ہے، جس میں قطر، مصر، اور حماس شامل ہیں۔ وہ اب ایران کے ساتھ جوہری یا علاقائی سکیورٹی ڈیل کا حصہ نہیں بنا سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاہدے میں لبنان کے لیے تو 'ڈی کانفلکشن سیل' بن گیا، آبنائے ہرمز کے لیے ہاٹ لائن قائم ہو گئی، لیکن غزہ کا انسانی المیہ، وہاں کی سویلین ہلاکتیں، یرغمالیوں کی رہائی اور امدادی راہداریوں کا کنٹرول اب بھی مکمل طور پر تشنہ اور غیر واضح ہے۔

موجودہ صورتحال کو سمجھنے کے لیے مشرق وسطیٰ کے نامور مؤرخین اور اسرائیلی دانشوروں نے تاریخ کے پنڈولم کو پیچھے گھمایا ہے۔ 1973 کی 'یوم کپور جنگ' یاد دلاتا ہے جب مصر کے اچانک حملے نے اسرائیل کے ناقابلِ شکست ہونے کے اس غرور کو پاش پاش کر دیا تھا جو اس نے 1967 کی چھ روزہ جنگ کی یکطرفہ فتح سے حاصل کیا تھا۔ 1973 کے اسی جھٹکے کا نتیجہ تھا کہ اسرائیل بالآخر زمین کے بدلے امن کے فارمولے پر راضی ہوا، جس کے بعد مصر کے ساتھ 'کیمپ ڈیوڈ معاہدہ' طے پایا، بعد ازاں فلسطینیوں کے ساتھ 'اوسلو امن معاہدہ' کی راہ ہموار ہوئی، جس میں پہلی بار دو ریاستی حل کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا۔

امریکی سفارت کار مارٹن انڈک نے ہنری کسنجر کی جو سوانح حیات ترتیب دی ہے، اس میں لکھا ہے کہ مصر 1970 سے ہی اسرائیل کے ساتھ کسی معاہدہ کی خواہش ظاہر کر چکا تھا، مگر تل ابیب بضد تھا۔ لہٰذا ہنری کسنجر نے اسرائیل کے ناقابل شکست ہونے کے غرور کو توڑنے کا تہیہ کیا۔

اس جنگ میں ابتدائی ہزیمت اور مصر کی طرف سے نہر سوئز اور صحرائے سینا کو واپس لینے کے بعد ہی امریکہ، اسرائیل کی مدد کے لئے آگے آیا۔ مگر جیسے ہی اسرائیل کو امریکی فوجی امداد اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر دوبارہ اپنی ناقابل تسخیر برتری کا دوبارہ زعم ہوا، وہ ان تمام امن معاہدوں سے مکر گیا اور فلسطینیوں کو ان کے جائز سیاسی اور معاشی حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

گزشتہ دو دہائیوں سے تل ابیب میں یہ بیانیہ حاوی رہا کہ وہ فلسطینیوں کو کچل کر اور ان کے وجود کو نظر انداز کر کے بھی عرب دنیا کے ساتھ تعلقات قائم کر سکتا ہے اور خطے کا بادشاہ بن سکتا ہے۔ موجودہ ایران امریکہ معاہدے نے اسرائیل کے اسی زعم کو ایک بار پھر پاش پاش کر دیا ہے۔

یہ سچائی اب تل ابیب کے رابن اسکوائر سے لے کر فوجی ہیڈ کوارٹرز تک گونج رہی ہے کہ فوجی طاقت سے وقتی طور پر عمارتیں تو گرائی جا سکتی ہیں، لیکن سیاسی اور تزویراتی نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

اب تل ابیب کے سامنے صرف ایک ہی راستہ بچتا ہے، کیا وہ اس تزویراتی شکست سے سبق سیکھ کر دوبارہ پرانے امن فریم ورکس کی طرف لوٹے گا اور فلسطینیوں کو ان کا جائز سیاسی و معاشی حق دے کر خطے میں حقیقی بقائے باہمی کا راستہ چنے گا؟ یا پھر وہ اپنی اس تنہائی کے غصے میں پورے خطے کو کسی نئے اور زیادہ ہولناک لاوے کی طرف دھکیل دے گا؟ مشرق وسطیٰ اب ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

براہ راست رپورٹ: عبدالقیوم فہمید

ایک ایسی ٹیکنالوجیکل قیامت جس نے زمین کے سینے کو بارود سے چھلنی کر دیا، مہلک ہتھیاروں کی وہ دستاویزی داستان جو ہماری نسل انسانی کے ضمیر پر ایک سوال ہے۔

غزہ میں صہیونی ریاست کے خوفناک مہلک ہتھیار

غزہ جو کبھی اپنی قدیم تاریخ اور امن کے گہوارے کے طور پر جانا جاتا تھا، آج انسانیت کی تاریخ کی سب سے بھیانک اور سفاک ''ٹیکنالوجیکل تجربہ گاہ'' میں بدل چکا ہے۔ یہاں موت محض اتفاق نہیں، بلکہ ایک خودکار اور سوچا سمجھا عمل ہے۔ آسمان سے گرتے ہوئے یہ بم محض لوہے کے ٹکڑے نہیں بلکہ جدید سائنسی ترقی کے وہ سیاہ قاتل ہتھیار ہیں جو انسانی تہذیب کو راکھ کے ڈھیر میں بدلنے کے لیے ڈیزائن کیے گئے ہیں۔ آج غزہ کی فضاؤں میں گونجنے والی چیخیں کسی روایتی جنگ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ مصنوعی ذہانت، لیزر گائیڈڈ ہتھیاروں اور ایسے مہلک بارود کی کارستانی ہیں جنہیں دیکھ کر انسانی ضمیر بھی لرز اٹھتا ہے۔ اس رپورٹ میں ہم اُن بیس مہلک ہتھیاروں اور عسکری نظاموں کو بے نقاب کر رہے ہیں جنہوں نے اس خطے کو قیامت کدہ بنا دیا ہے۔ یہ تحریر ان ہتھیاروں کی محض تکنیکی تفصیل نہیں، بلکہ یہ اُس انسانی درد کی دستاویزی گواہی ہے جسے ٹیکنالوجی کے بے رحم الگورتھمز نے خاموش کر دیا ہے۔ آیئے، اس جدید وحشت کے ان پہلوؤں کو سمجھیں جنہوں نے زمین پر رہنے والوں کے لیے آسمان کو آگ کا گولا بنا دیا ہے۔

1۔MK-84 (900 کلوگرام وزنی بم)

یہ ایک ''جنرل پرپز'' بم ہے جس میں تقریباً 400 کلوگرام ٹریٹونال (Tritonal) بارود ہوتا ہے۔ یہ زمین پر گرتے ہی ایک دھماکہ خیز لہر پیدا کرتا ہے۔

تباہی کی شدت کے اعتبار سے یہ خوفناک بم ایک 50 فٹ چوڑا اور 30 فٹ گہرا گڑھا کھودنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کا دھماکہ ایک پورے رہائشی بلاک کو ملبے میں تبدیل کر سکتا ہے، جس سے پیدا ہونے والی حرارت گردونواح کے تمام انسانی اعضاء کو پل بھر میں راکھ کر دیتی ہے۔

2۔BLU-109 (بنکر بسٹر)

بنکر بسٹر بم کی باڈی انتہائی سخت اسٹیل سے بنی ہوتی ہے تاکہ یہ کنکریٹ کی موٹی تہوں کو چیر کر اندر گھس سکے۔ اس میں ''ڈیلے فیوز'' ہوتا ہے جو عمارت کے اندر پہنچ کر زوردار اور تباہ کن دھماکے سے پھٹتا ہے۔

یہ بم عمارت کو باہر سے تباہ کرنے کے بجائے اندر سے کھوکھلا کر کے گراتا ہے، جس سے ملبہ نیچے موجود لوگوں پر گرتا ہے۔ اس مہلک بم کے حملے سے زندہ بچ جانے کے امکانات صفر ہو جاتے ہیں۔

3۔GBU-39 (اسمارٹ ڈائی میٹر بم)

یہ ایک ''اسمارٹ بم'' ہے جو 'جی پی ایس' کے ذریعے انتہائی درست نشانہ لیتا ہے۔ اس کا سائز چھوٹا ہے مگر اس کے ٹکڑے کسی گولی کی رفتار سے اطراف میں پھیلتے ہیں۔

یہ خاص طور پر بند کمروں میں دباؤ کی لہر (Pressure Wave) پیدا کرتا ہے جس

سے اندر موجود افراد کے پھیپھڑے اور کان کے پردے فوری طور پر پھٹ جاتے ہیں۔

4۔JDAM (جوائنٹ ڈائریکٹ اٹیک میونیشن)

یہ ایک کٹ ہے جو عام بموں کو لیزر یا جی پی ایس سے لیس کر دیتی ہے۔ یہ ہتھیار کسی بھی موسم میں اور کسی بھی وقت درست نشانے پر گرتا ہے۔ اس کا استعمال اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ہدف سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہو، جو گنجان آباد علاقوں میں 'کولٹرل ڈیمیج' کو ناقابلِ تلافی بنا دیتا ہے۔

5۔تھرموبارک ہتھیار (ویکیوم بم)

یہ دو مراحل میں کام کرتا ہے۔ پہلے یہ ہوا میں ایک بارودی بادل پھیلاتا ہے اور پھر اسے آگ لگا دیتا ہے۔

اس کے بعد یہ اردگرد کی تمام آکسیجن کھینچ لیتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والی ویکیوم کی وجہ سے عمارتوں کے اندر موجود افراد کے اندرونی اعضا پھٹ جاتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے جہنم ہے جو زیرزمین یا بند عمارتوں میں چھپے ہوتے ہیں۔

6۔سفید فاسفورس (White Phosphorus)

یہ ایک کیمیائی مادہ ہے جو ہوا کے رابطے میں آتے ہی خود بخود جلنے لگتا ہے اور 800 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔

یہ انسان کی جلد کو ہڈیوں تک جلا دیتا ہے۔ پانی ڈالنے سے یہ نہیں بجھتا۔ اس کا دھواں پھیپھڑوں میں جا کر اندرونی جلن اور شدید تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ قابض صہیونی فوج غزہ میں اس مہلک ہتھیار کا اندھا دھند اور بے دریغ استعمال کرتی ہے۔

7۔'دی گوسپل' (Habsora/The Gospel)

یہ ایک 'اے آئی سسٹم' ہے جو سیٹلائٹ اور ڈرون ڈیٹا کا تجزیہ کر کے منٹوں میں سینکڑوں اہداف (مکانات) تجویز کرتا ہے۔

انسانی تجزیہ کاروں کی جگہ مشین نے لے لی ہے۔ اس کی وجہ سے بمباری کی رفتار اتنی تیز ہوگئی ہے کہ کسی بھی گھر کو خالی کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

8۔'لیوینڈر' (Lavender)

یہ الگورتھم ہر فلسطینی مرد کو ایک سکور دیتا ہے اور انہیں 'حماس' سے جوڑ دیتا ہے۔

یہ سسٹم اکثر غلط اہداف کا تعین کرتا ہے، لیکن اس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے۔ یہ ہزاروں بے گناہوں کو صرف مشین کے ایک ''کلک'' پر ہدف بنا دیتا ہے۔ اس مہلک نظام کے استعمال سے غزہ میں ہزاروں بے گناہ لوگوں کو شہید کیا گیا۔

9۔آئرن سٹنگ (Iron Sting)

120 ملی میٹر کا لیزر گائیڈڈ مارٹر جو دیواروں کو چیرنے میں ماہر ہے۔ شہری جنگ میں جہاں لڑائی گلیوں میں ہوتی ہے، یہ مارٹر گلیوں کے کونوں میں چھپے اہداف کو انتہائی مہارت سے ڈھونڈ کر ختم کرتا ہے۔

10۔مرکاوا باراک (Merkava Barak)

یہ پانچویں نسل کا ٹینک ہے جس میں 360 ڈگری سینسرز لگے ہیں۔

یہ ٹینک خود سے اہداف شناخت کرتا ہے اور اپنے اردگرد موجود ہر حرکت کو گولہ باری کا نشانہ بنا سکتا ہے، جس سے شہری علاقوں میں نقل و حرکت ناممکن ہو جاتی ہے۔

11۔نمر (Namer) بکتر بند گاڑی

یہ بھاری بکتر بند گاڑی ہے جو ٹینکوں کے ساتھ چلتی ہے اور فوجیوں کو محفوظ رکھتی ہے۔

اس میں نصب خودکار توپیں شہری عمارتوں کی اوپری منزلوں کو نشانہ بنانے کے لیے بہترین ہیں، جس سے اونچی عمارتیں پلک جھپکتے میں زمین بوس ہو جاتی ہیں۔

12۔ایٹان (Eitan) پہیوں والی گاڑی

یہ پہیوں والی بکتر بند گاڑی ہے جو انتہائی تیز رفتاری سے شہری گلیوں میں گھس سکتی ہے۔

اس کی نقل و حرکت کی رفتار کی وجہ سے یہ کسی بھی جگہ اچانک حملہ کرنے اور شہریوں کو گھیرے میں لینے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

13۔ہیل فائر میزائل (Hellfire R9X)

اس میں بارود نہیں ہوتا بلکہ 6 چھری نما بلیڈز ہوتے ہیں جو ہدف کے اوپر کھلتے ہیں۔ یہ گاڑی یا ہدف کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ یہ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ اردگرد کی عمارتوں کو کم نقصان ہو مگر ہدف کو بری طرح ختم کر دیا جائے۔

14۔پیٹریاٹ میزائل سسٹم

یہ میزائل کو فضا میں ہی تباہ کرنے والا نظام ہے۔ جب یہ میزائل کو ہوا میں ٹکراتا ہے تو اس کا ہزاروں کلوگرام وزنی ملبہ نیچے موجود آبادی پر گرتا ہے، جو ایک ثانوی بم کی طرح پھٹتا ہے۔

15۔چہرہ شناخت کرنے والی ٹیکنالوجی (Facial Recognition)

یہ سافٹ ویئر کیمروں کے ذریعے ہجوم میں کسی بھی مطلوبہ شخص کو سیکنڈوں میں پہچان لیتا ہے۔

یہ ٹیکنالوجی لوگوں کے لیے 'ڈیجیٹل پنجرہ' بن گئی ہے۔ گھر سے باہر نکلنا یا چیک پوائنٹ

سے گزرنا موت کا پروانہ ثابت ہوسکتا ہے۔

16۔الیکٹرانک وارفیئر سسٹمز

قابض صہیونی فوج کے ہاتھ میں یہ سسٹم علاقے کے تمام سگنلز (فون، انٹرنیٹ، ریڈیو) کو بلاک کر دیتا ہے۔

جب بمباری ہو رہی ہو اور لوگ ایک دوسرے سے رابطہ نہ کر سکیں یا ایمبولینس کو نہ بلا سکیں تو یہ خاموش قاتل بن جاتا ہے۔

17۔ڈرون (Quadcopters)

چھوٹے، ریموٹ کنٹرولڈ ڈرونز جن میں سنائپر گن یا دستی بم لگے ہوتے ہیں۔

یہ کھڑکیوں کے اندر تک گھس کر لوگوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ان کا خوف اتنا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں بھی بیٹھنے سے ڈرتے ہیں۔

18۔کلسٹر بم (Cluster Munitions)

ایک بڑا بم جو ہوا میں پھٹ کر سینکڑوں چھوٹے بم پھیلا دیتا ہے۔

یہ وسیع رقبے کو بنجر کر دیتے ہیں۔ان کے کچھ چھوٹے بم نہیں پھٹتے اور زمین میں دبے رہتے ہیں، جو کئی سال بعد بچوں یا کسانوں کے لیے موت کا جال بن جاتے ہیں۔

19۔سپائیک میزائل (Spike Missile)

یہ آپٹیکل گائیڈڈ میزائل ہے جو ہدف کو خود ڈھونڈتا ہے۔یہ چلتی ہوئی گاڑیوں یا چھپے ہوئے اہداف کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے،جس سے کوئی بھی موبائل ہدف محفوظ نہیں رہتا۔

20۔ہائی ٹیک سنوس (High-Tech Sensors) یہ زمین کے نیچے یا دیواروں کے پیچھے حرکت اور آواز کو محسوس کرتے ہیں۔

یہ ٹیکنالوجی کسی بھی پناہ گاہ کو ''غیر محفوظ'' بنا دیتی ہے۔ان سینسرز کی بدولت کوئی بھی ٹنل یا تہہ خانہ چھپنے کی جگہ نہیں رہا۔

غزہ کی زمین پر بکھرا ہوا ہر ذرہ اور ہر کھنڈر چیخ چیخ کر ان ہتھیاروں کی ہولناکی کی گواہی دے رہا ہے، جو صہیونی درندوں نے انسانیت کے گلے پر رکھ دیے ہیں۔ یہ بیس مہلک ہتھیار جن کا ہم نے یہاں تذکرہ کیا، اس طویل اور سفاک فہرست کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔ یہ فہرست دراصل اس جدید شیطانیت کا ایک ادھورا باب ہے جس کے تحت ایک پوری نسل کو مٹانے کے لیے سائنسی ترقی کو ایک خون آشام آلے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ حقیقت عیاں ہے کہ صہیونی ریاست اپنے ہر حملے میں ایسے مہلک آلات اور ایسی تباہ کن بلائیں استعمال کرتی ہے جن کی ہولناکی عام انسانی تصور سے کہیں زیادہ ہے۔

لیکن، یہ کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی۔ یہ صرف ایک آغاز ہے، کیونکہ صہیونی ہاتھوں میں موجود ہتھیاروں کا یہ ذخیرہ اور ان کی بے دریغ درندگی اس سے کہیں زیادہ وسیع اور گہری ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ زندہ ضمیر انسانیت ان مہلک ہتھکنڈوں کو بے نقاب کرنے کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کریں، ان خفیہ عسکری ٹیکنالوجیز کو بھی منظرِ عام پر لائیں جو غزہ میں بے گناہ انسانوں کی نسل کشی کے لیے بروئے کار لائی جا رہی ہیں۔

منظرنامہ: فیچاء شلش

غزہ میں اسرائیلی فوج کی بربریت

اسرائیلی فوجیوں نے وسطی غزہ میں تین سالہ ریان ابوالعجین کو گولی مار کر شہید کر دیا، گھنٹوں حراست میں رکھنے کے بعد لاش سڑک پر پھینک دی

زیرِ نظر مضمون غزہ کی پٹی میں نام نہاد جنگ بندی کے مروجہ مہیب ماحول میں عام شہریوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی ایک دل دہلا دینے والی مختصر داستان ہے۔ یہ رپورٹ واضح کرتی ہے کہ کس طرح اسرائیل کی جانب سے قائم کردہ سیکیورٹی حدود (ییلو لائن) غزہ کے مقامی باشندوں، خاص طور پر کسانوں اور بچوں کے لیے موت کا جال بن چکی ہیں۔ یہ واقعہ ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب بین الاقوامی ادارے غزہ میں جنگ بندی کے باوجود شہریوں کو نشانہ بنائے جانے کو سنگین ''جنگی جرائم'' قرار دے رہے ہیں۔ ذیل میں اس لرزہ خیز واقعے اور اس کے وسیع تر تناظر کا مکمل اور بے کم و کاست ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

32 سالہ بہاء ابوالعجین پیشے کے لحاظ سے کسان ہیں جو باقاعدگی سے ''وادی السلقہ'' کے علاقے میں واقع اپنی زرعی زمین پر جاتے رہتے ہیں۔ یہ زمین اس ''ییلو لائن'' سے محض 150 میٹر کی دوری پر واقع ہے جسے اسرائیل نے اکتوبر 2023 کی نسل کشی کی جنگ کے بعد غزہ کی پٹی کے اندر اپنی افواج کی حدود کے تعین کے لیے قائم کیا تھا۔

اتوار کی شام ٹھیک 6 بجے، بہاء وسطی غزہ کی پٹی میں واقع دیر البلح میں اپنے گھر سے معمول کے مطابق نکلے تاکہ اپنی زرعی زمین کی دیکھ بھال کر سکیں۔ ان کے ہمراہ ان کا تین سالہ بیٹا ریان اور ان کا برادرِ نسبتی خالد ابوغرابہ بھی تھے۔ تاہم یہ سفر ایک بھیانک المیے پر ختم ہوا۔

ابوالعجین خاندان نے اسرائیلی فوج پر اپنے بیٹے اور اس کے باپ کو بلا جواز اغوا کرنے اور ان پر فائرنگ کرنے کا الزام عائد کیا ہے، جس کے نتیجے میں بچہ جاں بحق اور باپ شدید زخمی ہو گیا۔

خاندان کے بزرگ اور بہاء کے قریبی رشتہ دار نواف ابوالعجین نے 'مڈل ایسٹ آئی' کو بتایا کہ وہ تینوں اس وقت ششدر رہ گئے جب انہوں نے علاقے میں ایک گھر کے اندر اسرائیلی فوجیوں کو پوزیشن سنبھالے ہوئے دیکھا۔ فوجیوں نے کسی بھی انتباہ کے بغیر ان پر براہِ راست اندھا دھند فائرنگ کر دی۔

نواف ابوالعجین نے بتایا:

''گولیاں سیدھی معصوم ریان کی آنکھ کے آر پار ہو گئیں، جس سے اس کی آنکھ باہر نکل آئی اور گولی سر کے پچھلے حصے سے باہر نکل گئی۔ دوسری گولی اس کے والد کی ٹانگ میں لگی۔''

نواف کے مطابق فوجیوں نے خاندان کے ان ارکان کو کوئی بھی طبی امداد فراہم کیے بغیر خون بہنے کے لیے وہیں چھوڑ دیا، پھر ان تینوں کو گرفتار کر کے فوجی گاڑیوں کے ذریعے کسوفیم (Kissufim) فوجی اڈے منتقل کر دیا۔

”بچہ باپ کی گود میں سر پر گولی لگنے کے بعد موقع پر ہی دم توڑ چکا تھا۔ بہاء کا مسلسل خون بہہ رہا تھا لیکن انہیں کوئی طبی امداد نہیں دی گئی۔ اسرائیلی فوجیوں نے صرف ایک کپڑے کا ٹکڑا زخمی ران کے گرد باندھ دیا اور کسی بھی قسم کی طبی امداد نہیں دی گئی۔“

بہاء اس پورے وقت کے دوران حراست میں رہے اور اپنے بچے کی لاش کو اپنی گود میں تھامے رہے جب کہ خالد بھی ان کے ساتھ زیرِ حراست تھا۔ پھر آدھی رات کو فوجیوں نے زخمی بہاء اور اس کے مردہ بچے کو صلاح الدین اسٹریٹ پر پھینک دیا۔

نواف نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا:

”ہمیں عینی شاہدین سے معلوم ہوا کہ فوجیوں نے ایک زخمی شخص اور ایک بچے کو صلاح الدین اسٹریٹ پر لاوارث پھینک دیا ہے۔ ہمیں امید تھی کہ وہ بہاء اور ریان ہی ہوں گے، چناں چہ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بچہ آنکھ میں گولی لگنے کی وجہ سے دم توڑ چکا تھا اور بہاء شدید زخمی حالت میں تھا۔“

ان دونوں کو فوری طور پر الاقصیٰ شہداء ہسپتال منتقل کیا گیا، جہاں ریان کی موت کی باقاعدہ تصدیق کر دی گئی۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد بتایا کہ بہاء کی ٹانگ میں گولی لگی ہے اور ہسپتال کے ڈاکٹروں نے بہاء کی ٹانگ میں راڈ ڈال دیا، وہ اب بھی ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔

نواف نے مزید بتایا کہ:

”ہم ریان کی میت غم زدہ ماں کے پاس لے گئے۔ ریان کی والدہ اب بھی شدید صدمے کی حالت میں ہے اور اسے یقین نہیں آ رہا کہ کیا ہوا۔ ایک عام سا دن ایک ایسے زندہ جہنم میں بدل گیا جسے ہم کبھی نہیں بھول پائیں گے۔“

بہاء کے برادرِ نسبتی خالد اب بھی اسرائیلی فوج کی حراست میں ہیں اور ان کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

دوسری جانب اسرائیلی فوج نے اتوار کی شام دعویٰ کیا کہ ایک مبینہ عسکریت پسندوں کے ارکان پر فائرنگ کی جو ییلو لائن کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دیر البلح میں واقع الاقصیٰ شہداء ہسپتال کے ترجمان خلیل الدقران نے ’مڈل ایسٹ آئی‘ کو بتایا کہ ایمرجنسی روم میں آدھی رات کے بعد ایک شخص اور اس کے تین سالہ بیٹے کی لاش لائی گئی تھی۔

انہوں نے مزید کہا: ”گولی بچے کے سر کے آر پار ہو گئی تھی اور وہ گھنٹوں پہلے ہی دم توڑ چکا تھا۔ والد کی حالت بہتر ہے، ان کی ٹانگ میں گولی کا زخم ہے اور ان کا علاج جاری ہے۔“

اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے دفتر نے مئی میں جاری کردہ ایک رپورٹ میں بتایا تھا کہ اکتوبر میں جنگ بندی کا معاہدہ نافذ ہونے کے بعد سے اسرائیل کے ہاتھوں مارے جانے والے فلسطینیوں کا تقریباً ایک تہائی حصہ حماس کے ساتھ قائم کردہ جنگ بندی لائن (ییلو لائن) کے قریبی علاقوں میں موت کا شکار ہوا ہے۔ اس سے یہ شدید خدشات پیدا ہو گئے ہیں کہ اسرائیلی افواج شہریوں کو صرف اس علاقے کے قریب آنے پر ہی گولی مار رہی ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے دفتر نے واضح کیا کہ ”ایسے اقدامات غیر قانونی دانستہ قتل کے زمرے میں آتے ہیں اور اس لیے یہ جنگی جرائم ہیں۔“

مقبوضہ فلسطینی خطے میں اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے دفتر کے ڈائریکٹر اجیت سنگھائے نے اس طرزِ عمل کو ”تشویشناک“ قرار دیا ہے۔

انہوں نے ایک پریس بیان میں مزید کہا:

”ایسا بالکل نہیں لگتا کہ ان شہریوں سے اسرائیلی فوجیوں کی جانوں کو کوئی خطرہ تھا، حتیٰ کہ کچھ معاملات میں تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اس وقت گولی ماری گئی جب وہ اپنی روزمرہ کی سرگرمیاں انجام دے رہے تھے یا اس وقت جب وہ اسرائیل کی نام نہاد ’ییلو لائن‘ کے قریب پہنچے یا اسے عبور کیا۔“

اقوامِ متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق جنگ بندی کے بعد سے 5 فروری تک 453 افراد ہلاک ہوئے، جن میں ییلو لائن کے قریب مارے جانے والے 152 فلسطینی شامل ہیں، جن میں 102 مرد، 15 خواتین، 24 لڑکے اور 11 لڑکیاں شامل ہیں۔

غزہ میں ’الضمیر ایسوسی ایشن برائے انسانی حقوق‘ کے ڈائریکٹر علاء سکافی نے ’مڈل ایسٹ آئی‘ کو بتایا کہ غزہ کی پٹی کا 65 فیصد حصہ اس وقت اسرائیل کی طرف سے ”ییلو“ (Yellow) اور ”سرخ“ (Red) زونز کے طور پر درجہ بند کیا گیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ جو کوئی بھی ان علاقوں یا ییلو لائن کے قریب جاتا ہے، اس پر اسرائیلی فوج کی جانب سے فائرنگ کر دی جاتی ہے یا اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے، حالاں کہ وہ فوجیوں کے لیے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتے۔

انہوں نے وضاحت کی: ”شہریوں کو سنائپرز (نشانہ بازوں)، ٹینک کے گولوں یا ڈرونز کے ذریعے نشانہ بنایا جاتا ہے۔“

اگرچہ اسرائیل صلاح الدین لائن (جو غزہ کی پٹی کو مشرق اور مغرب میں تقسیم کرتی ہے) کے قریبی علاقوں میں پیلے رنگ کے کنکریٹ کے بلاکس رکھتا ہے، لیکن وہ ان بلاکس کو روزانہ مزید مغرب کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور پھر شہریوں پر یہ الزام لگا کر گولیاں چلا دیتا ہے کہ وہ ان کے قریب آ رہے ہیں۔

علاء سکافی نے مزید کہا کہ: ”اسرائیل شہریوں کے قتل کو جائز قرار دینے کے لیے پہلے سے تیار شدہ بہانے استعمال کرتا ہے اور قتل کے نئے طریقے اپناتا ہے، چاہے وہ اپنے فوجیوں کے ذریعے ہو یا اپنے سے وابستہ مسلح گروپوں کے ارکان کے ذریعے۔“

گزشتہ روز شائع ہونے والے فلسطینی وزارتِ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق، 11 اکتوبر کو اسرائیل اور حماس کے درمیان جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد سے اب تک اسرائیلی فوج 992 فلسطینیوں کو شہید اور 3144 کو زخمی کر چکی ہے۔

یہ لرزہ خیز واقعہ اس تلخ حقیقت کا عکاس ہے کہ غزہ میں اعلان کردہ ”جنگ بندی“ محض کاغذی دعویٰ ہے، جہاں زمین پر معصوم بچوں اور نہتے کسانوں کا خون اب بھی سستی ترین شے بنا ہوا ہے۔ اسرائیل کی جانب سے ”ییلو لائن“ اور خود ساختہ بفر زونز کی روز بروز بدلتی حدود غزہ کے شہریوں کے لیے ایک ایسا غیر اعلانی مقتل بن چکی ہیں جہاں اپنے ہی کھیتوں میں جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ عالمی اداروں کی جانب سے ان اقدامات کو واضح طور پر ”جنگی جرائم“ قرار دیے جانے کے باوجود بین الاقوامی برادری کی خاموشی اور اسرائیل کا احتساب سے بالاتر ہونا ان ہولناک سانحات کے تسلسل کی اصل وجہ ہے۔ جب تک ان جنگی جرائم پر اسرائیل کا محاسبہ نہیں کیا جاتا، ریان جیسے معصوم بچے اپنے والدین کی گود میں دم توڑتے رہیں گے اور انسانیت سڑکوں کے کنارے دم توڑتی رہے گی۔

تجزیہ: ربیٰ میسون

غداری اور وفاداری کی صدی: فلسطینی اشرافیہ کا غاصبوں سے گٹھ جوڑ

فلسطینی اتھارٹی کی مزاحمت کے خلاف جنگ دراصل نوآبادیاتی طاقتوں کے ساتھ اس ساز باز کا تسلسل ہے جس پر فلسطینی اشرافیہ ایک صدی سے زائد عرصے سے عمل پیرا ہے

غزہ میں جاری صیہونی نسل کشی اور مغربی کنارے و لبنان میں اسرائیلی ریاستی دہشت گردی کے اس ہولناک دور میں فلسطینی اور لبنانی مزاحمتی تحریکوں کو نہ صرف اپنے ظاہری اسرائیلی دشمن کا سامنا ہے بل کہ انہیں اپنے ہی معاشرے کے اس مراعات یافتہ طبقے (اشرافیہ) سے بھی نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے جو دشمن کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر جوزف مساد کا یہ مضمون کسی وقتی سیاسی ردعمل کا نتیجہ نہیں، بل کہ 100 سالہ تاریخی حقائق پر مبنی گہرا تجزیہ ہے۔ وہ مدلل انداز میں واضح کرتے ہیں کہ کس طرح موجودہ ''فلسطینی اتھارٹی'' کا اسرائیل نواز کردار کوئی نئی بات نہیں، بل کہ یہ اسی صدی پرانی غداری اور سمجھوتہ بازی کا تسلسل ہے جو فلسطینی تاریخ کی امیر اشرافیہ کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔

نوآبادیاتی تسلط اور طبقاتی ردعمل کے تین رخ:

دنیا کی تاریخ میں جب بھی کسی خطے پر نوآبادیاتی فتح اور سامراجی کنٹرول قائم ہوا تو اس کے خلاف مقامی معاشروں کا ردعمل ہمیشہ 3 حصوں یا طبقات میں تقسیم رہا ہے:

پہلا رخ (عوامی مزاحمت):

غریب کسانوں، مزدوروں کی اکثریت اور شہری متوسط طبقے کے ایک بڑے حصے کی طرف سے کی جانے والی شدید انقلابی مزاحمت۔

دوسرا رخ (تعاون اور سمجھوتہ):

امیر اشرافیہ اور متوسط طبقے کے کچھ حصوں کی طرف سے نوآبادیاتی طاقتوں کے ساتھ تعاون اور سمجھوتہ بازی۔ ان کا یہ جواز ہوتا تھا کہ اس تعاون کے بدلے نوآبادیاتی آقا کچھ مراعات دیں گے اور یوں وہ ایک ایسے براہِ راست تصادم سے بچ جائیں گے جس میں شکست یقینی طور پر محکوموں کا ہی مقدر ہوگی۔

تیسرا رخ (کامل غلامی اور غداری):

امیر طبقے کے ایک اور دھڑے کی طرف سے نوآبادیاتی آقاؤں کی مکمل غلامی اور ساز باز (Collaboration)۔ اس کا مقصد اپنے ہی ہم وطن رقیبوں کے مقابلے میں آقاؤں سے ترجیحی سلوک اور مراعات حاصل کرنا ہوتا تھا۔ ان کی منطق یہ ہوتی تھی کہ نوآبادیاتی کنٹرول کا برقرار رہنا ان کے اپنے طبقاتی مفادات کے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ وہ مقامی سطح پر ان غاصبوں کے ایجنٹ کا کام کرتے ہیں۔

یہ تینوں ردعمل پوری محکوم اور نوآبادیاتی دنیا' ایشیا سے لے کر افریقہ تک' ریکارڈ کیے گئے

ہیں۔عرب دنیا اور خود فلسطینی بھی اس مروجہ تاریخ سے مستثنیٰ نہیں رہے ہیں۔ درحقیقت 1948 کے سانحۂ ''نکبہ'' سے پہلے کے فلسطینی معاشرے نے برطانوی نوآبادکاری اور صیہونی آبادکارانہ مہم کا جواب بالکل اسی اسکرپٹ کے مطابق دیا تھا اور یہی کچھ نکبہ کے بعد بھی دہرایا گیا۔

نکبہ سے پہلے کی فلسطینی اشرافیہ اور برطانوی نوآبادکاری:

1920 کی دہائی کے اوائل سے، اگرچہ فلسطینی اشرافیہ کے مختلف دھڑے آپس میں منقسم تھے، لیکن اس امیر طبقے میں وسیع پیمانے پر اس بات پر اتفاق پایا جاتا تھا کہ صیہونی نوآبادکاری کو روکنے کے لیے برطانوی غاصبوں کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے۔

اس مصالحتی حکمتِ عملی کی قیادت ''عرب ایگزیکٹو'' اور ''کمیشن برائے اعلیٰ مسلم کونسل'' کر رہے تھے، جن پر یروشلم (بیت المقدس)، یافا اور دیگر فلسطینی شہروں کے بڑے مالدار خاندانوں کا قبضہ تھا۔

ان کے مقابلے میں اشرافیہ کا ایک دوسرا دھڑ تھا، جس میں بنیادی طور پر یروشلم کا ایک حریف خاندان اور دیگر ایسے خاندان شامل تھے جنہیں مذکورہ بالا دونوں اداروں میں سائیڈ لائن کر دیا گیا تھا۔ اس دوسرے دھڑے نے برطانوی حکام اور صیہونیوں کے ساتھ مکمل اور کھلی سازباز (Collaboration) کا راستہ چنا۔ ان لوگوں نے صیہونی فنڈنگ اور مدد سے باقاعدہ طور پر:

''ایگریکلچرل پارٹی'' (الحزب الزراعی)

نیشنل مسلم سوسائٹی

اور بعد میں ''الحزب الوطنی'' (نیشنل پارٹی) قائم کی۔

دوسری طرف کسانوں اور مزدوروں کی بھاری اکثریت نے شہری متوسط طبقے کی بھرپور حمایت کے ساتھ صیہونیوں اور برطانویوں کے خلاف سچی مزاحمت کا راستہ منتخب کیا۔

تحریکِ آزادی اور 'حزب الاستقلال' کا قیام (1932)

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے دانشور فلسطینی اشرافیہ کے ان دونوں گروہوں 'یعنی کھلم کھلا غداری کرنے والے چھوٹے دھڑے اور تعاون کا لبادہ اوڑھنے والے بڑے دھڑے' سے اس قدر مایوس اور بیزار ہو چکے تھے کہ انہوں نے 1932 میں ''حزب الاستقلال'' کی بنیاد رکھی۔ اس پارٹی نے کسانوں اور مزدوروں کی مسلح مزاحمت کی کھل کر حمایت کی اور مظاہروں، بائیکاٹ اور سول نافرمانی پر مبنی ایک ملک گیر شہری حقوق کی تحریک کو شروع کیا۔

غزہ سے تعلق رکھنے والے حمدی الحسینی (جن کا یروشلم کے اشرافیہ حسینی خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا) اور استقلال پارٹی کے دیگر نوجوان رہنما دنیا کی دیگر نوآبادیاتی مخالف تحریکوں، خاص طور پر ہندوستان میں مہاتما گاندھی کی جدوجہد سے شدید متاثر تھے۔

گاندھی کی تقلید کرتے ہوئے استقلال پارٹی کی قیادت نے 'جس میں حمدی الحسینی، نابلس کے ایک نوجوان سکول ٹیچر اکرم زعیتر، قوم پرست پبلسٹی مہم جو اور استاد عزت دروزہ اور وکیل عونی عبدالہادی (جو 1928 کے بعد اشرافیہ کے زیرِ اثر عرب ایگزیکٹو کے سیکرٹری بھی رہے تھے) شامل تھے' فلسطین کے برطانوی حکمرانوں کے ساتھ عدم تعاون (Non-cooperation) کی اپیل کی۔ انہوں نے گاندھی کے مارچ 1930 کے تاریخی ''نمک مارچ''، معاشی بائیکاٹ اور سول نافرمانی جیسے ہتھکنڈوں کو اپنے ہاں نافذ کیا۔

پارٹی کے قیام کے فوراً بعد استقلال کے رہنماؤں نے برطانوی راج کے ساتھ ملی بھگت پر فلسطینی اشرافیہ کو کھلے عام تنقید کا نشانہ بنایا۔ دسمبر 1932 میں پارٹی کے پہلے بڑے عوامی اجتماع میں رہنماؤں نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا برطانیہ اور صیہونیت کی مذمت کی اور نوآزاد عراق، سعودی عرب اور مصر کے ساتھ تعاون پر زور دیا۔ انہوں نے ''عرب ایگزیکٹو'' پر سستی اور بے عملی کا الزام لگاتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس کے رہنما برطانوی مینڈیٹ کے حکام کے ساتھ ہر قسم کا تعاون بند کریں۔

اگلے ہی سال (1933 میں) استقلال پارٹی کی عوامی مقبولیت اور متحرک کرنے کی صلاحیت اپنے عروج پر پہنچ گئی، کیوں کہ اس دوران برطانوی جبر، صیہونی نسل پرستی (Apartheid)، فلسطینی کسانوں کی ان کی زمینوں سے بے دخلی اور فلسطین میں یہودی تارکینِ وطن کی آمد بے پناہ حد تک بڑھ چکی تھی۔

عوامی مزاحمت، ہڑتالیں اور نوآبادیاتی جبر:

جب استقلال پارٹی ''عرب ایگزیکٹو'' کو عدم تعاون کی پالیسی اپنانے پر راضی کرنے میں ناکام رہی تو اس نے اکتوبر 1933 میں برطانوی پالیسی اور صیہونی آبادکاری کے خلاف خود عوامی مظاہرے منظم کیے۔ عوامی دباؤ کے سامنے جھکتے ہوئے عرب ایگزیکٹو کو بالآخر ان مظاہروں کی حمایت کرنی پڑی حالاں کہ اشرافیہ کے غدار دھڑے نے اس کی شدید مخالفت کی تھی۔

پورے فلسطین میں ہزاروں لوگوں نے مارچ کیا، صرف یافا میں 8,000 افراد سڑکوں پر نکلے، جن میں ''وادی الحوارث'' کے وہ 600 فلسطینی بھی شامل تھے جن کی زمینوں پر چند ماہ قبل صیہونی آبادکاروں نے قبضہ کر لیا تھا۔ برطانوی پولیس نے وحشیانہ کارروائی کرتے ہوئے یافا اور حیفا میں 26 نہتے مظاہرین کو شہید اور درجنوں کو زخمی کر دیا۔

برطانوی حکام، دونوں دھڑوں سے تعلق رکھنے والے امیر فلسطینی اور صیہونی ان سب نے استقلال پارٹی کو کچلنے میں اپنا مشترکہ مفاد دیکھا۔ ان کی مشترکہ کوششیں رنگ لائیں اور 1934-1935 تک انہوں نے اس پارٹی کو تقریباً تباہ کر دیا جو فلسطین کی سب سے مقبول اینٹی کولونیل پارٹی بن چکی تھی۔

اس کے باوجود نوجوان فلسطینی کارکنوں نے جن میں استقلال کے سابق ارکان اور یوتھ کانگریس شامل تھے، فلسطینی اشرافیہ پر اپنے دباؤ کو تیز کر دیا کہ وہ صیہونیت کے خلاف برطانوی حمایت حاصل کرنے کی فضول کوششیں ترک کریں اور عدم تعاون کی تحریک اپنائیں۔

1936 تک فلسطینی مزدوروں نے متعدد ایسی ہڑتالیں شروع کیں جن کی اشرافیہ کے رہنماؤں نے مخالفت کی۔ اس مخالفت کی وجہ سے ان رہنماؤں نے نوجوانوں کی تحریک، استقلال پارٹی کے بچے کھچے دھڑوں اور مزدور طبقے میں اپنی رہی سہی حمایت بھی کھو دی۔

جب اشرافیہ کے سیاست دان برطانوی ہائی کمشنر کے ساتھ قانون ساز اسمبلی کے قیام کے لیے مذاکرات میں مصروف تھے، ٹھیک اسی وقت حمدی الحسینی جیسے استقلال پسندوں کی قیادت میں شہری مزدوروں کے نئے اجتماعات نے جنم لیا، جن کا نتیجہ 19 اپریل 1936 کو شروع ہونے والی ایک عظیم الشان عام ہڑتال کی شکل میں نکلا۔ 6 ماہ تک جاری رہنے والی یہ ہڑتال آج تک دنیا کی تاریخ کی طویل ترین عام ہڑتال ہے۔

متحرک فلسطینی عوام، جن کی قیادت استقلال پسند اور نوجوانوں کے گروہ (بشمول ینگ مسلم مینز ایسوسی ایشن) کر رہے تھے، سیاسی زندگی کے فرنٹ لائن پر آ گئے۔ ان کے اس طوفانی عزم نے اشرافیہ کے سیاست دانوں کو بشمول مفتی امین الحسینی، جنہوں نے شروع میں ہڑتال کی مخالفت کی تھی، مجبور کر دیا کہ وہ ایک ہفتے بعد ''عرب ہائر کمیٹی'' قائم کریں تاکہ اس عرب ایگزیکٹو کی جگہ لی جا سکے جو اشرافیہ کی آپسی دھڑے بندیوں کی وجہ سے اگست 1934 میں تحلیل ہو چکی تھی۔

عرب ہائر کمیٹی نے سول نافرمانی کے عوامی مطالبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی، جب کہ برطانوی ہائی کمشنر نے اشرافیہ کی قیادت کو مسلسل یاد دلایا کہ ان کا اصل کام عوامی غیظ و غضب کو لگام دینا ہے۔ عام ہڑتال اور وسیع تر فلسطینی بغاوت کی حمایت کرنے میں مفتی امین الحسینی کی ہچکچاہٹ 1936 کی گرمیوں تک برقرار رہی۔

اسی دوران فلسطینی اشرافیہ نے ایسی سیاسی جماعتیں بنانا شروع کر دیں جو برطانوی نوازشات حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہی تھیں اور غداروں کی ''نیشنل ڈیفنس پارٹی'' کے معاملے میں تو صیہونیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی دوڑ لگی ہوئی تھی۔

ایک طرف کسانوں، مزدوروں، نوجوانوں اور دانشوروں کا جذبۂ مزاحمت تھا اور دوسری طرف اشرافیہ کا برطانوی و صیہونی آقاؤں کے ساتھ گٹھ جوڑ۔ اسی ماحول میں ''فلسطین کا عظیم انقلاب'' (Great Revolt) پھوٹ پڑا جو 1939 تک جاری رہا۔ برطانوی فوج اور صیہونی مسلح آبادکاروں نے مل کر اس انقلاب کو انتہائی بے دردی سے کچلا، جس میں 8,000 سے زائد فلسطینی شہید ہوئے۔

اس دوران فلسطینی اشرافیہ کے غداروں نے باقاعدہ طور پر انقلابیوں کو قتل کرنے کے لیے ''امن دستے'' (Peace Bands) کے نام سے ایک انسدادِ انقلاب (Counter-revolutionary) ملیشیا تشکیل دی تھی، جس کا کام فلسطینی حریت پسندوں کو چن چن کر قتل کرنا تھا۔ اس عظیم انقلاب کی عبرتناک شکست کا ہی نتیجہ تھا کہ 9 سال بعد، 1948 میں فلسطینیوں کو ''نکبہ'' کا سامنا کرنا پڑا۔

اوسلو کے وارث اور فلسطینی اتھارٹی (PA) کا مکروہ کردار:

یہی طبقاتی اور سیاسی حرکیات نکبہ کے بعد کے دور میں دوبارہ ابھر کر سامنے آئیں۔ وطن سے نکالے گئے فلسطینی کسانوں اور مزدوروں کے بچوں نے متوسط طبقے کے ساتھ مل کر 1950 کی دہائی کے آخر میں ایک نئی سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا، جو 1960 کی دہائی کے آخر تک ایک مضبوط مسلح مزاحمتی تحریک میں تبدیل ہو گئی۔

لیکن جلد ہی فلسطینی اشرافیہ نے اس تحریک پر بھی قبضہ کر لیا۔ بظاہر انہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ وہ تحریک کو ''بین الاقوامی قبولیت'' دلانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے عرب حکومتوں کے ذریعے 1974 میں PLO کو ''فلسطینی عوام کا واحد جائز نمائندہ'' تسلیم کروایا۔

جلد ہی، عرب حکومتوں کی طرف سے ملنے والی بھاری فنڈنگ نے پی ایل او کو پالتو اور مطیع بنا دیا۔ نکبہ سے پہلے کی اشرافیہ کی حکمتِ عملی کو دہراتے ہوئے، پی ایل او نے صیہونی آبادکارانہ نوآبادکاری سے مکمل آزادی کے مطالبے کو ''نرم'' کر کے امریکہ اور یورپ کے ساتھ پینگیں بڑھانا شروع کر دیں اور اس کے بدلے ''دو ریاستی حل'' کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

امریکہ کے ساتھ خفیہ روابط اور یورپ کے ساتھ کھلے راستوں نے پی ایل او کے اصل ایجنڈے یعنی ''کامل آزادی'' کو مسخ کر کے فلسطین کے ایک معمولی سے ٹکڑے پر ایک چھوٹی سی کٹھ پتلی ریاست کے مطالبے تک محدود کر دیا۔

اگر 1974 کے بعد کی پی ایل او نے 1920 اور 1940 کی دہائیوں کے سمجھوتہ باز اور مصالحتی اشرافیہ کا کردار دہرایا تھا تو 1993 کے اوسلو معاہدے پر دستخط نے پی ایل او کو اشرافیہ کے اس دوسرے بدترین حصے میں تبدیل کر دیا جو صیہونیوں اور ان کے سامراجی سرپرستوں کے ساتھ کھلم کھلا غداری کرتا تھا (جو اسی طرح 1930 کی دہائی کی ایگریکلچرل پارٹی اور نیشنل ڈیفنس پارٹی کرتی تھیں)۔

آج کی ''فلسطینی اتھارٹی'' (PA) ماضی کے انہی غدار قوتوں کا ہو بہو عکس ہے۔

یاسر عرفات کی پی ایل او اور اس کے بعد آنے والی فلسطینی اتھارٹی نے اس مزاحمتی روح کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے جسے کبھی استقلال پارٹی اور کسان انقلابیوں نے پروان چڑھایا تھا اور جس کا پرچم 1970 کی دہائی کے وسط سے پی ایل او کے ''انکاری محاذ'' (Rejectionist Front) اور 1980 کی دہائی کے اواخر اور 1990 کی دہائی کے اوائل سے حماس، اسلامی جہاد اور پی ایل او کے بچے کھچے بائیں بازو کے دھڑے تھامے ہوئے ہیں۔

اس غداری کا عروج 2007 میں امریکہ، اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کے مشترکہ منصوبے کے تحت منتخب حماس حکومت کے خلاف ہونے والی بغاوت کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ بالکل ویسا ہی گٹھ جوڑ تھا جیسا 1930 کی دہائی میں استقلال پارٹی کے خلاف بنایا گیا تھا۔

آج فلسطینی اتھارٹی کی سیکیورٹی فورسز وہی کردار ادا کر رہی ہیں جو 1930 کی دہائی میں انقلابیوں کو قتل کرنے والے اشرافیہ کے ''امن دستے'' ادا کرتے تھے۔ 1993 سے فلسطینی عوام خود کو اسی دلدل میں گھرا ہوا پا رہے ہیں۔

جوزف مسادا کا یہ تجزیہ اس حقیقت کو کھول کر بیان کرتا ہے کہ غزہ کی نسل کشی پر اسرائیل اور اس کے مغربی سرپرستوں کا وحشیانہ ردعمل اپنی جگہ، لیکن اس دوران مغربی کنارے میں رام اللہ کے محلوں میں بیٹھی ''فلسطینی اتھارٹی'' کا اپنے ہی ہم وطنوں کی مزاحمت کو کچلنا اور اسرائیل کے ساتھ سیکیورٹی تعاون جاری رکھنا تاریخ کی اسی صدی پرانی غداری کا تسلسل ہے۔ فلسطینی عوام کی موجودہ جنگ بیک وقت دو محاذوں پر ہے۔ ایک طرف غاصب صیہونی دشمن ہے اور دوسری طرف ان کی اپنی آستینوں میں چھپی غدار اشرافیہ اور فلسطینی اتھارٹی۔ لیکن تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ جس طرح 1920 سے 1940 کی دہائی تک کے تمام تر برطانوی و صیہونی جبر اور اشرافیہ کی غداریوں کے باوجود فلسطینیوں کے دلوں سے آزادی کی تڑپ کو ختم نہیں کیا جا سکا، اسی طرح آج کی فلسطینی اتھارٹی بھی اپنے آقاؤں کے دیے گئے ٹاسک میں ذلت آمیز طریقے سے ناکام ہو رہی ہے۔ غزہ کی لازوال قربانیوں اور مغربی کنارے کی تازہ بیداری نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک صدی کے اتار چڑھاؤ کے بعد اب ترازو کا پلڑا مستقل طور پر سمجھوتہ باز اشرافیہ کے بجائے جرات مندانہ عوامی مزاحمت کے حق میں جھک رہا ہے اور یہی بیدار عوام ہی فلسطین کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔

نوشتہ دیوار: حافظ عمر فاروق

غزہ میں قحط کا سایہ دوبارہ منڈلانے لگا

جب ایک وقت کا کھانا روزانہ کا خواب بن جائے

غزہ کی پٹی گزشتہ کئی برسوں سے جنگ، محاصرے اور انسانی بحران کا شکار ہے، لیکن حالیہ مہینوں میں وہاں کی صورتحال مزید سنگین ہوتی جا رہی ہے۔ خوراک، پانی، ایندھن اور دیگر بنیادی ضروریات کی قلت نے لاکھوں فلسطینیوں کی زندگی کو اذیت ناک بنا دیا ہے۔ ایسے وقت میں جب انسانی امدادی سرگرمیاں کم ہو رہی ہیں اور بے گھر افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، غزہ ایک بار پھر قحط کے خطرے سے دوچار ہے۔ ایک وقت کا کھانا جو کبھی روزمرہ زندگی کا معمول تھا، آج لاکھوں افراد کے لیے ایک خواب بن چکا ہے۔

غزہ میں بڑھتا ہوا غذائی بحران:

اسرائیلی فوجی کارروائیوں اور وسیع پیمانے پر بے دخلی کے نتیجے میں غزہ کی انسانی صورتحال خطرناک حد تک بگڑ چکی ہے۔ ہزاروں خاندان مسلسل نقل مکانی پر مجبور ہیں جبکہ روزگار کے مواقع تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔ ایسے حالات میں بیشتر افراد اپنی بقا کے لیے امدادی تنظیموں کی فراہم کردہ خوراک پر انحصار کرنے لگے ہیں۔

مئی میں عالمی امدادی تنظیم ''ورلڈ سینٹرل کچن'' کی جانب سے روزانہ فراہم کیے جانے والے کھانوں کی تعداد میں نمایاں کمی کا اعلان ہزاروں خاندانوں کے لیے ایک شدید دھچکا ثابت ہوا۔ یہ صرف ایک انتظامی فیصلہ نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کے لیے زندگی اور بھوک کے درمیان موجود آخری سہارا کمزور پڑ جانا تھا۔

لاکھوں افراد غذائی عدم تحفظ کا شکار:

انسانی امدادی اداروں کے اندازوں کے مطابق تقریباً 16 لاکھ فلسطینی، جو غزہ کی کل آبادی کا تقریباً 77 فیصد بنتے ہیں، شدید غذائی عدم تحفظ کا سامنا کر رہے ہیں۔ دوسری جانب امدادی سامان میں کمی اور بنیادی خدمات کے سکڑتے ہوئے دائرے نے صورتحال کو مزید تشویشناک بنا دیا ہے۔

جنگ بندی کے باوجود اہل غزہ کی زندگی میں وہ بہتری نہیں آئی جس کی انہیں امید تھی۔ اگرچہ امداد کی فراہمی کے وعدے کیے گئے تھے، لیکن ضروری مقدار میں امدادی سامان غزہ نہیں پہنچ سکا، جبکہ مختلف پابندیاں بدستور برقرار رہیں۔

معجزے کے منتظر بچے:

غزہ کے بے گھر افراد کے کیمپوں میں سب سے دلخراش منظر بچوں کا ہے۔ روزانہ ہزاروں بچے خالی برتن اٹھائے امدادی خوراک کی تلاش میں کیمپوں کے درمیان گھومتے نظر آتے ہیں۔ بعض سڑک کنارے کھڑے رہتے ہیں، اس امید میں کہ شاید کوئی فلاحی ادارہ آئے اور ان کے برتن میں کچھ کھانا ڈال دے۔

یہ منظر اب معمول بن چکا ہے، مگر اس کی تکلیف کم نہیں ہوئی۔ ہر روز بچوں کی آنکھوں میں بھوک اور انتظار کی جھلک انسانی المیے کی ایک دردناک تصویر پیش کرتی ہے۔

10 لاکھ کھانوں سے 2 لاکھ تک:

ورلڈ سینٹرل کچن نے ایندھن اور خوراک کی کمی، امدادی سامان کی ترسیل میں مشکلات اور مالی دباؤ کے باعث اپنی سرگرمیوں کا بڑا حصہ معطل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی پانچ سو سے زائد مقامی ملازمین بھی اپنی ملازمتوں سے محروم ہو گئے۔ اس فیصلے کے نتیجے میں روزانہ تقسیم ہونے والے کھانے کی تعداد تقریباً 10 لاکھ سے کم ہو کر صرف 2 لاکھ رہ گئی۔ اس کمی نے ان لاکھوں افراد کو براہِ راست متاثر کیا جو انہی کھانوں پر اپنی روزمرہ زندگی کا انحصار کرتے تھے۔

بہت سے خاندانوں کے لیے یہ کھانے اضافی سہولت نہیں بل کہ پورے دن کا واحد ذریعۂ خوراک تھے۔ ان میں کمی کا مطلب زیادہ بھوک، زیادہ محرومی اور زیادہ تکلیف ہے۔

خوراک کی قیمتیں عام لوگوں کی پہنچ سے باہر:

آج غزہ میں مسئلہ صرف خوراک کی دستیابی کا نہیں بل کہ اسے خریدنے کی استطاعت کا بھی ہے۔ ایک خاندان کے لیے ایک سادہ سا کھانا تیار کرنے پر تقریباً 20 ڈالر خرچ آتا ہے، جو زیادہ تر خاندانوں کی پہنچ سے باہر ہے کیوں کہ وہ کئی ماہ سے آمدنی کے کسی مستقل ذریعے سے محروم ہیں۔

کھانا پکانے کے لیے گیس نایاب ہے، اس لیے لوگ لکڑی کا سہارا لیتے ہیں، مگر لکڑی بھی مہنگی ہو چکی ہے۔ سبزیوں اور دیگر اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے روزمرہ ضروریات پوری کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

صبح سے خوف کھانے والے لوگ:

غزہ میں ایک باپ نے اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا: ''مجھے اب صبح پسند نہیں رہی۔'' اس کا مطلب سورج کی روشنی سے نفرت نہیں ہے، بل کہ وہ اس لمحے سے خوفزدہ ہے جب اس کے بچے جاگ کر کھانے کا مطالبہ کریں گے اور اس کے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔

یہ صرف ایک خاندان کی کہانی نہیں بل کہ لاکھوں خاندانوں کی مشترکہ حقیقت ہے۔ ہر نئی صبح ان کے لیے ایک نیا امتحان بن کر آتی ہے۔ باپ روزگار کی تلاش میں نکلتے ہیں لیکن اکثر شام کو خالی ہاتھ لوٹتے ہیں۔

یہ سوال دل کو جھنجھوڑ دیتا ہے کہ ایک باپ اپنے تین سالہ بچے کو کیسے سمجھائے کہ آج کھانے کے لیے کچھ موجود نہیں؟ ایک معصوم بچہ جنگ، محاصرے یا مالی بحران کے معنی نہیں جانتا، وہ صرف اپنی بھوک محسوس کرتا ہے۔

اقوام متحدہ کی بڑھتی ہوئی تشویش:

اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسانی امور (OCHA) نے خبردار کیا ہے کہ مالی وسائل کی کمی کے باعث متعدد امدادی پروگرام بند یا محدود کیے جا رہے ہیں۔ غزہ اور مغربی کنارے کے لیے درکار 4.1 ارب ڈالر کی امداد میں سے صرف 15 فیصد فنڈز ہی موصول ہو سکے ہیں۔

اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق غزہ میں روزانہ تقسیم ہونے والے کھانوں کی تعداد مارچ کے وسط میں پندرہ لاکھ سے کم ہو کر تقریباً 6 لاکھ 78 ہزار رہ گئی ہے۔

اگرچہ جنگ بندی معاہدے کے تحت روزانہ 6 سو امدادی ٹرک غزہ میں داخل ہونے تھے، لیکن امدادی اداروں کا کہنا ہے کہ آنے والی امداد عوام کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

ایک ایسا سوال جس کا جواب ابھی تک نہیں ملا:

آج غزہ کے عوام ترقی، تعمیرِ نو یا معاشی بحالی کے بارے میں سوال نہیں کر رہے۔ ان کا سب سے بنیادی سوال صرف یہ ہے کہ اگلے دن کے لیے خوراک کہاں سے آئے گی؟

کیا عالمی برادری کو احساس ہے کہ غزہ ایک بار پھر قحط کے دہانے پر کھڑا ہے؟ یا دنیا بھوک سے ہونے والی مزید اموات کا انتظار کر رہی ہے؟

ایک تین سالہ بچہ روزانہ اپنے والد سے کھانا مانگتا ہے، مگر والد کے پاس کوئی جواب نہیں۔ ماں کے پاس کوئی حل نہیں اور پڑوسی بھی اسی کرب سے گزر رہے ہیں۔ شاید غزہ کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ایک بچے کا یہ سادہ سا سوال آج بھی جواب کا منتظر ہے اور پوری دنیا خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی ہے۔

غزہ میں جاری انسانی بحران صرف خوراک کی کمی کا مسئلہ نہیں بل کہ انسانی وقار، بنیادی حقوق اور عالمی ذمہ داری کا امتحان بھی ہے۔ لاکھوں افراد بھوک، بے گھری اور مایوسی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں جب کہ امدادی وسائل تیزی سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر فوری اور مؤثر اقدامات نہ کیے گئے تو قحط کا خطرہ ایک تلخ حقیقت بن سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمی برادری سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر انسانی جانوں کے تحفظ اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنائے تاکہ غزہ کے معصوم بچوں کے سوالات کا جواب صرف خاموشی نہ ہو۔

منظرنامہ: افتخار گیلانی

ہندوستانی جج نے اسرائیل کو کٹہرے میں کھڑا کردیا

دہلی ہائی کورٹ کی راہداریوں کے وہ دن اب بھی ذہن کے نہاں خانوں میں تازہ ہیں۔
جب کبھی مجھے ہائی کورٹ جانے کا اتفاق ہوتا، میں جسٹس سری نواسن مرلی دھر کی عدالت کا رخ ضرور کرتا تھا۔ ان کی عدالت کی کارروائی دیکھنا اور سننا اپنے آپ میں ایک سحر انگیز تجربہ ہوتا تھا۔

قانون کی گہرائی، دلائل کے دوران ان کے تیکھے اور کاٹ دار سوالات اور پھر ان کے چٹکیلے جملے، یہ سب مل کر ایک ایسا منظر تخلیق کرتے جو دائرہ انصاف کی تاریخ میں درج ہوتے تھے۔

مئی 2006 سے مارچ 2020 تک دلی ہائی کورٹ کے جج کی حیثیت سے وہ اپنے ترقی پسندانہ فیصلوں اور مظلوموں کی دادرسی کے لیے مروجہ ضابطوں سے آگے نکل جانے کے لیے مشہور رہے۔

اقوام متحدہ کے آزاد بین الاقوامی کمیشن کے سربراہ کے بطور انہوں نے حال ہی میں جو رپورٹ غزہ اور مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں اسرائیلی جارحیت کے شکار معصوم بچوں سے متعلق ترتیب دی ہے اس میں ان کے اس مزاج کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔
سانولے باوقار چہرے پر عینک کے پیچھے چمکتی ہوئی ذہین آنکھیں اور لبوں پر ہر وقت دھیمی، دلپذیر مسکراہٹ لیے وہ ایک ایسے شفیق اور ملنسار انسان لگتے ہیں جن سے بات کرتے ہوئے جھجک یا خوف کا احساس تک نہیں ہوتا ہے۔
ان کا دوستانہ اور دھیما مزاج پہلی ہی ملاقات میں سامنے والے کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔
مگر اس نرم خو سراپے کے پیچھے اصولوں کا ایک ایسا ہمالیہ پوشیدہ ہے جس نے اقتدار کے بڑے بڑے طوفانوں کا رخ موڑ دیا ہے۔
فروری 2020 کی وہ خونی اور بھیانک رات جب شمال۔مشرقی دہلی فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جل رہی تھی، تو جسٹس مرلی دھر نے قانون کی بالادستی اور انسانیت کی لاج رکھنے کے لیے آدھی رات کو اپنے گھر پر ایک ہنگامی اور غیر معمولی سماعت مقرر کی، تاکہ زخمیوں کو بحفاظت طبی امداد فراہم کی جا سکے۔
انہوں نے دہلی پولیس کو آڑے ہاتھوں لیا اور برسر اقتدار بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنماؤں کے خلاف نفرت انگیز تقاریر پر مقدمات درج نہ کرنے پر شدید سرزنش کی۔ انہوں نے برسرِ عدالت خبردار کیا تھا؛
ہم اپنی آنکھوں کے سامنے اس شہر میں دوبارہ 1984 کے سکھ مخالف فسادات کی تاریخ دہرانے کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں۔
ان کا یہ جرأت مندانہ موقف اقتدار کے ایوانوں کو ایسا چبھا کہ چند ہی گھنٹوں کے اندر، رات کے اندھیرے میں، ایک غیر معمولی نوٹیفکیشن کے ذریعے ان کا تبادلہ پنجاب اور

ہریانہ ہائی کورٹ کر دیا گیا۔
انتظامیہ کی یہ ناراضگی ان کے پورے کیریئر پر سایہ فگن رہی؛ ستمبر 2022 میں سپریم کورٹ کولیجیم نے انہیں مدراس ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بنانے کی سفارش کی، مگر حکومت نے اس فیصلے کو چھ ماہ تک لٹکائے رکھا، یہاں تک کہ اپریل 2023 میں کولیجیم کو یہ تجویز واپس لینی پڑی۔

وہ سپریم کورٹ پہنچے بغیر ہی اڑیسہ ہائی کورٹ سے ریٹائر ہو گئے۔ لیکن وکلاء کے دلوں میں ان کا احترام ایسا تھا کہ ان کی ریٹائرمنٹ پر وکلاء نے عدالت کے کمرے سے لے کر سڑک تک صفیں بنا کر انہیں الوداع کہا، جو عدالتی تاریخ میں بے مثال تھا۔

آج چھ سال بعد، وہ جنیوا میں عالمی اسٹیج پر اسی بے باک اور اٹل قانونی نظر کے ساتھ نمودار ہوئے ہیں۔ جس کی قیمت کبھی انہیں نئی دہلی میں چکانی پڑی تھی۔

اس تجربہ کار قانون دان نے عالمی سطح پر فوجی طاقت کے نشے میں چور اسرائیل کے خلاف ایک ایسا واٹر ٹائٹ اور ناقابلِ تردید کیس تیار کیا ہے، جس کے شواہد کی گونج رہتی دنیا تک اسرائیلی لیڈروں کا پیچھا کرتی رہے گی۔

چاہے اسرائیل کو کوئی مروجہ سزا ملے یا نہ ملے، لیکن جس پیشہ ورانہ مہارت اور باریک بینی سے انہوں نے شواہد کا پہاڑ کھڑا کر دیا ہے، وہ صیہونی ریاست کے ماتھے پر ابد تک کے لیے ایک ایسا داغ بن چکا ہے جسے مٹایا نہیں جا سکتا ہے۔

پچھلے سال جب ان کا اس عہدے پر تقرر ہوا، تو انہوں نے نجی گفتگو میں مجھ سے ذکر کیا تھا کہ انہیں اس سے قبل دو بار اقوامِ متحدہ کے بڑے اداروں کی سربراہی کی پیشکش ہوئی تھی، لیکن وہ اب آرام کرنا چاہتے تھے۔

مگر پھر، زندگی کا رخ ایک پرواز کے دوران بدل گیا۔ وہ فلائٹ میں سوار ہو رہے تھے جب ان کے ہاتھ میں دی ہندو گروپ کا پندرہ روزہ میگزین فرنٹ لائن کا وہ شمارہ آیا جس کی کور اسٹوری غزہ کے ہولناک حالات پر تھی۔

اس سحر انگیز اور دردناک تحریر نے ان کا دل ایسا پگھلایا کہ انہوں نے آرام کا ارادہ ترک کر کے اقوامِ متحدہ کے اس کمیشن کی سربراہی قبول کر لی۔ میرے لیے یہ امر کسی اعزاز سے کم نہیں کہ فرنٹ لائن کی اس زندگی بدل دینے والی کور اسٹوری کا مصنف یہ خاکسار تھا۔

حال ہی میں فلسطینی بچوں پر جب رپورٹ کا اجراء ہوا، تو میں نے ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس وقت اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل (یو این ایس سی) کے ایک انتہائی اہم اجلاس میں بریفنگ دے رہے ہیں، اس لیے شام کو ان کو کال کروں۔

شام کو جب میں نے فون ملایا، تو پہلی ہی گھنٹی پر انہوں نے خود فون اٹھایا اور اسی روایتی اپنائیت، دھیمی مسکراہٹ اور عاجزی کے ساتھ میرے سوالات کے جوابات دینے شروع کیے۔

انہوں نے بتایا کہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں امریکہ کے سوا دنیا کے تمام ممالک نے ان کی تفتیش کی ستائش کی۔ جب کونسل کی چیئرمین نے ان سے پوچھا کہ کیا کیا جا سکتا ہے؟ تو انہوں نے دوٹوک لفظوں میں کہہ دیا تھا؛

اب اسرائیلی جرائم کی صرف مذمت کرنے کا وقت گزر چکا ہے، اب عملی اقدام کا وقت ہے۔

ان کی رپورٹ پر سلامتی کونسل کا اجلاس ایسے وقت منعقد ہوا کہ جب یہ سمجھا جا رہا تھا کہ امریکہ-ایران ڈیل کے بعد غزہ کا معاملہ پس منظر میں چلا گیا ہے۔ لیکن اس رپورٹ نے دنیا کی توجہ دوبارہ اس انسانی المیے پر مبذول کرا دی ہے۔

جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کون سا حتمی ثبوت تھا جس نے کمیشن کو یہ ماننے پر مجبور کیا کہ معصوم فلسطینی بچوں کو جنگی نقصانات کولیٹرل ڈیمیج کے نام پر نہیں، بلکہ باقاعدہ نشانہ بنا کر قتل کیا گیا، تو جسٹس مرلی دھر کا کہنا تھا کہ یہ کسی ایک ثبوت کا معاملہ نہیں، بلکہ متعدد مستقل اور معتبر ذرائع کا وہ مجموعی وزن ہے جس نے انصاف کے ترازو کو ہلایا۔

ان کے مطابق بچوں کو نشانہ بنانے کے دو گھناؤنے طریقے اختیار کیے گئے۔ پہلا طریقہ گنجان آباد شہری علاقوں پر بھاری بھرکم بموں کی برسات تھی، جس میں 7 اکتوبر 2023 کے بعد ہولناک تیزی آئی۔

لیکن دوسرا طریقہ اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز ہے۔ یعنی کواڈ کاپٹرز، ڈرونز اور اسنائپرز نشانہ بازوں کا استعمال کرنا۔ یہ کواڈ کاپٹرز تھرمل کیمروں سے لیس ہیں جو انسانی جسم کے سائز سے یہ بالکل واضح بتا دیتے ہیں کہ سامنے موجود شخص کوئی بالغ یا بچہ ہے۔

سب سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ خود اسرائیلی فوجیوں کے اعترافات آن لائن موجود ہیں۔ کچھ فوجیوں نے اسرائیلی ٹی وی پر کھلے عام اعتراف کیا کہ ڈرون چلانا ان کے لیے ایک ویڈیو گیم جیسا بن چکا ہے، جہاں فوجیوں کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا کہ کون زیادہ فلسطینیوں کا شکار کرتا ہے۔

یہ چنگیز خان کے ان جنرلوں کی یاد دلاتا ہے جن کے درمیان سروں کے مینار اونچے کرنے پر مسابقت ہوتی تھی۔ جس کا مینار سب سے اونچا ہوتا تھا تو خاقان اس کو شاباشی دیتا تھا۔

رپورٹ کے مطابق ایک فوجی کہتا ہے کہ ڈرونز نے انسانوں کی انسانیت کو بالکل ختم کر دیا ہے۔

آپ اسکرین پر سب کچھ دیکھتے ہیں اور بٹن دبا کر بم گرا دیتے ہیں۔ یہ ایک کھیل جیسا لگتا ہے۔ آپ نیچے ایک تہہ خانے میں بغیر ہیلمٹ کے، نیم برہنہ حالت میں سکون سے بیٹھ کر فلسطینیوں کو قتل کر سکتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ اسرائیل نے تو اس کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کمیشن پر جانبداری کا الزام لگاتے ہوئے ایک 18 صفحات کا جوابی دعویٰ جاری کیا ہے۔ جسٹس مرلی دھر نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اسرائیل نے جو جواب مارکیٹ میں عام کیا، اس میں اس نے اپنے ہی فوجیوں کی ان ویڈیوز اور اعترافات کا کوئی جواب نہیں دیا جو انہوں نے خود انٹرنیٹ پر پوسٹ کیے تھے۔

مثلاً، اسرائیل کی 252 ویں ڈویژن کے ایک فوجی نے خود سر عام اعتراف کیا کہ اس نے ایک غیر مسلح 16 سالہ فلسطینی بچے کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ کسی تیسرے فریق کے الزامات نہیں، بلکہ خود قاتل کے اپنے اعترافات ہیں۔

جب میں نے پوچھا کہ اسرائیل کا الزام ہے کہ آپ نے حماس کے تشدد کو نظر انداز کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اسرائیل نے یہ جواب ہمیں نہیں بھیجا بلکہ پبلک ڈومین میں جاری کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 15 جون کو ہماری کمیٹی نے ایک اور تفصیلی رپورٹ ہیومن رائٹس کونسل میں جمع کرائی تھی جس میں غیر ریاستی عناصر، بشمول غزہ کے فلسطینی مسلح گروہوں اور مغربی کنارے کے متشدد اسرائیلی آبادکاروں کے جرائم اور بچوں پر ان کے تشدد کو تفصیل سے دستاویزی شکل دی گئی ہے۔

چونکہ وہ حقائق ہم پہلے ہی تفصیل سے سامنے لا چکے تھے، اس لیے بچوں پر مبنی اس موجودہ

رپورٹ میں ہم نے انہیں دوبارہ نہیں دہرایا۔ ہم اب بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی کو لگتا ہے کہ ہمارے شواہد غلط ہیں، تو وہ ہمارے ساتھ بیٹھے اور اس کے برعکس شواہد پیش کرے، ہم اصلاح کے لیے تیار ہیں۔

جسٹس مرلی دھر نے واضح کیا کہ ایک جج کی حیثیت سے انہوں نے شواہد کی جانچ پڑتال میں انتہائی سخت ترین معیار نافذ کیے۔ وہ کہتے ہیں؛

ہم نے صرف گواہوں کے بیانات پر بھروسہ نہیں کیا۔ ہم نے سیٹلائٹ امیجری، جیو لوکیشن، کرونولوکیشن، میٹاڈیٹا کی تصدیق اور چہروں کی شناخت کی تکنیک کا سہارا لیا۔ اگر کسی بچے کو زخمی حالت میں بیرونِ ملک منتقل کیا گیا، تو ہم نے بین الاقوامی پروٹوکول کے تحت اس کا انٹرویو کیا۔

ہم نے ہسپتال کے ریکارڈز، پیتھالوجی رپورٹس، ایکس رے، ڈاکٹروں اور نرسوں کے بیانات کو آپس میں کراس ویریفائی کیا۔ ہم نے دیکھا کہ جس وقت بچے کو گولی لگی، کیا اس وقت اس علاقے میں واقعی کوئی اسرائیلی فوجی یونٹ موجود تھی؟ جب ہر طرف سے تصدیق ہوگئی، تبھی ہم نے اسے رپورٹ کا حصہ بنایا۔ حتیٰ کہ اسرائیلی فوجیوں کے اعترافات کو بھی ہم نے پرکھا اور شواہد جمع کرنے کے بعد ہی ان پر بھروسہ کیا۔

جب میں نے پوچھا کہ ایک جج کی حیثیت سے وہ قانونی طور پر ان شواہد سے کتنے مطمئن ہیں، تو انہوں نے عدالتی باریک بینی سے جواب دیا؛

ہم ایک تحقیقاتی ادارہ ہیں، کوئی فوجداری عدالت نہیں۔ ہمارا کام معتبر اور مصدقہ شواہد کی بنیاد پر یہ طے کرنا ہے کہ آیا کارروائی کے لیے معقول وجوہات موجود ہیں یا نہیں۔ یہ پولیس کی اس تفتیش جیسا ہے جو فردِ جرم دائر کرتی ہے، عدالتی عمل اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔

عالمی عدالت انصاف (آئی سی جے) یا بین الاقوامی فوجداری عدالت (آئی سی سی) ہمارے شواہد کو قبول یا مسترد کرنے میں آزاد ہیں۔ جنوبی افریقہ نے، جو آئی سی جے میں اسرائیل کے خلاف نسل کشی کا کیس لڑ رہا ہے، ہم سے شواہد مانگے اور ہم نے ان کے ساتھ یہ مواد شیئر کیا ہے۔ آئی سی سی نے بھی ہم سے تعاون مانگا ہے۔ ایک جج کی حیثیت سے میں مکمل مطمئن ہوں کہ یہ شواہد ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ فلسطینی بچوں کو جان بوجھ کر قتل اور معذور کیا گیا اور ان کا بچپن تباہ کیا گیا۔

رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ معصوم بچوں کے سروں اور سینوں کو اسنائپرز نے نشانہ بنایا۔ جب کوئی فوجی کسی بچے کو مارتا تھا، تو اس کا بٹالین کمانڈر اسے سزا دینے کے بجائے مبارکباد دیتا تھا۔

جیسا کہ 252 ویں ڈویژن کے ایک فوجی کے کیس میں معلوم ہوا کہ یہ کسی ایک سرپھرے فوجی کا انفرادی فعل نہیں تھا، بلکہ یہ ایک باقاعدہ ادارہ جاتی پالیسی اور کمانڈ سٹرکچر کی منظوری کا نتیجہ تھا۔ ناہل بریگیڈ کے ایک اسنائپر نے تو یہاں تک اعتراف کیا کہ جب اس نے ایک بچے پر گولی چلانے سے قبل ہچکچاہٹ دکھائی، تو اس کے کمانڈر نے صاف کہا؛

عمر مت دیکھو، گولی چلاؤ۔

رپورٹ نے ان تمام بٹالینز، بریگیڈز اور ڈویژنز کی نشاندہی کر دی ہے جو ان جرائم میں ملوث تھے۔

جسٹس مرلی دھر نے اس گفتگو کے ذریعے دنیا بھر کے ممالک، بشمول ہندوستان، کو ان کی قانونی ذمہ داریاں یاد دلائی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بین الاقوامی قانون میں ایک اصول جسے یونیورسل جورسڈکشن یعنی عالمی دائرہ اختیار کہا جاتا ہے، کے مطابق سنگین جرائم میں ملوث افراد کے خلاف دنیا کا کوئی بھی ملک اپنے ہاں مقدمہ چلا سکتا ہے، چاہے وہ جرم کہیں بھی ہوا ہو اور متاثرین کسی بھی ملک کے ہوں۔

مثلاً ہندوستان بچوں کے حقوق کے عالمی کنونشن (سی آر سی) کا حصہ ہے۔ اگر ان جرائم میں ملوث کوئی بھی شخص ہندوستان کی حدود میں پایا جاتا ہے، تو عالمی قانون کے تحت ہندوستانی حکام پر یہ قانونی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس معاملے کی تفتیش کریں۔

یہی اصول ان ہزاروں فوجیوں پر بھی لاگو ہوتا ہے جو دوہری شہریت رکھتے ہیں۔ مارچ 2025 کے اعداد و شمار کے مطابق، تقریباً 12,000 امریکی، 6,000 فرانسیسی، 5,000 روسی اور دیگر ممالک کے شہری اسرائیلی فوج میں خدمات انجام دے رہے تھے۔

اگر یہ لوگ ان ملوث یونٹس کا حصہ رہے ہیں اور اپنے وطن یا کسی دوسرے ملک جاتے ہیں، تو وہ ملک سیاسی غیر جانبداری کا بہانہ بنا کر ان کے خلاف جنگی جرائم کی تفتیش سے منہ نہیں موڑ سکتا ہے۔ سیاسی طور پر کوئی ملک نیوٹرل ہوسکتا ہے، لیکن قانون سے نیوٹرل نہیں ہوا جا سکتا۔

رپورٹ کے مطابق اکتوبر 2023 سے اکتوبر 2025 کے درمیان 20,000 سے زائد فلسطینی بچے شہید ہو چکے ہیں اور دسیوں ہزار زخمی ہیں۔ غزہ کے ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کو ایک نئی اصطلاح وضع کرنی پڑی۔ زخمی بچہ، جس کا کوئی خاندان زندہ نہیں بچا ہے۔ غزہ کے 97 فیصد اسکول اور یونیورسٹیاں ملبے کا ڈھیر بن چکی ہیں۔ ہسپتالوں، ایمبولینسوں اور طبی عملے پر حملے کیے گئے، سفید جھنڈا تھامے بچوں پر گولیاں چلائی گئیں اور رفح کراسنگ پر طبی اجازت نامے کے انتظار میں معصوم بچے دم توڑ گئے۔

چھ سالہ ہند رجب کے المیہ کا ذکر کرتے ہوئے رپورٹ بتاتی ہے کہ اس معصوم بچی کی دردناک آواز نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہند رجب اپنے خاندان کی لاشوں سے گھری گاڑی میں محصور تھی اور گھنٹوں بچاؤ کے عملے سے فون پر گریہ وزاری کرتی رہی۔

کمیشن نے سیٹلائٹ تصاویر، آڈیو ریکارڈنگز اور فرانزک شواہد سے ثابت کیا ہے کہ اسرائیلی افواج نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ گاڑی کے اندر بچے موجود ہیں، اسے جان بوجھ کر نشانہ بنایا اور بعد میں مدد کے لیے بھیجی گئی ایمبولینس پر بھی حملہ کر کے طبی عملے کو ہلاک کر دیا۔

اس طرح جنگ بندی معاہدے کے بعد، نو اور دس سال کے دو سگے بھائی اپنے وہیل چیئر پر بیٹھے معذور باپ کے لیے لکڑیاں جمع کر رہے تھے کہ اسرائیلی فوج نے انہیں 'مشتبہ' قرار دے کر گولیوں سے بھون ڈالا۔ انخلاء کے سرکاری احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، ہاتھوں میں سفید جھنڈا تھام کر محفوظ مقام کی طرف جانے والے ایک نوعمر لڑکے کو اسرائیلی نشانہ بازوں نے سیدھی گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

پچھلے سال 17 اکتوبر کو سمندر کے ساحل پر پناہ لینے والے پانچ نوعمر لڑکوں کو بیدردی سے قتل کیا گیا۔ ایک اور واقعے میں، ایک 14 سالہ فلسطینی لڑکا گولی لگنے کے بعد ایک گھنٹے تک تڑپتا رہا، جبکہ اسرائیلی فوجی پاس ہی کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ جب اس کی ماں نے اپنے جگر گوشے تک پہنچنے کی کوشش کی، تو اسرائیلی فوجیوں نے اس مجبور ماں پر بھی اندھا دھند فائرنگ کر دی۔

رپورٹ کا یہ حصہ انسانیت کے چہرے پر سب سے بڑا طمانچہ ہے۔ ہسپتالوں اور طبی ڈھانچے کی دانستہ تباہی کے باعث، سینکڑوں معصوم بچوں کے ہاتھ اور پاؤں بغیر کسی بے ہوشی کی دوا (اینستھیزیا) یا مناسب طبی آلات و ادویات کے، انتہائی مخدوش حالات میں موبائل فونوں کی روشنی میں کاٹے گئے۔ تفتیش کاروں سے بات کرتے ہوئے طبی عملے نے بتایا کہ بچوں کے جسم شدید ترین جھلسن، دماغی چوٹوں اور ریڑھ کی ہڈی کے ٹوٹنے، اندھے پن اور بہرے پن کی وجہ سے پاش پاش ہو چکے تھے۔

سب سے زیادہ تشویشناک پہلو یہ ہے کہ 10، 12 اور 15 سال کے نوجوان فلسطینی لڑکوں کو باقاعدہ 'دہشت گرد' کا لیبل دے کر انہیں جائز فوجی ہدف بنا دیا گیا، تاکہ ان کے قتل کو قانونی جواز دیا جا سکے۔ یہ جنیوا کنونشنز، روم اسٹیٹیوٹ اور بچوں کے حقوق کے کنونشن کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

جب میں نے جسٹس مرلی دھر سے فلسطینی اتھارٹی کی جوابدہی کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے متوازن انداز میں کہا کہ کوئی بھی عوامی اتھارٹی قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ ہماری اگلی رپورٹ جو اس سال کے آخر میں جنرل اسمبلی میں پیش ہوگی، وہ فلسطینی اتھارٹی کے کردار کا بھی جائزہ لے گی، خاص طور پر مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں جہاں وہ اپنے فرائض میں ناکام رہی۔

البتہ انہوں نے یہ بھی مانا کہ زمینی سطح پر اسرائیلی کنٹرول اور فلسطینی پولیس کو نشانہ بنائے جانے کی وجہ سے فلسطینی اتھارٹی کی عملی صلاحیت شدید کمزور ہو چکی ہے، مگر یہ ان کی قانونی ذمہ داریوں کو ختم نہیں کرتا۔

اسی طرح انہوں نے ٹرمپ انتظامیہ کے مجوزہ بورڈ آف پیس کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جسے سلامتی کونسل کی توثیق حاصل ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ بورڈ صرف غزہ پر مرکوز ہے، مغربی کنارے کو چھوڑ دیتا ہے، اس میں ریاست فلسطین شامل نہیں، نہ ہی دو ریاستی حل کا کوئی ذکر ہے۔ رکن ممالک نے ڈیڑھ ارب ڈالر کا وعدہ کیا مگر رقم ابھی تک ادا نہیں کی ہے۔ بورڈ نے سلامتی کونسل کو جھوٹی رپورٹ دی کہ غزہ کے حالات سدھر گئے ہیں، جبکہ ہمارے شواہد بتاتے ہیں کہ وہاں کوئی بہتری نہیں آئی۔

انٹرویو کے اختتام پر جسٹس مرلی دھر کے چہرے پر وہی دھیمی مگر سنجیدہ مسکراہٹ ابھری۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ اس رپورٹ کو مرتب کرنا کوئی تکنیکی کام نہیں تھا، یہ ایک جذباتی طور پر توڑ دینے والا سفر تھا۔

ہماری ٹیم رات دن بچوں کے قتل، ان پر تشدد اور انہیں معذور کیے جانے کی لرزہ خیز ویڈیوز دیکھ کر ان کی تصدیق کرتی رہی۔ لیکن سب سے بڑی رکاوٹ 'سزا کا خوف نہ ہونا' ہے۔ اسرائیلی قیادت کھلے عام یہ بیانات دے رہی ہے کہ کسی فلسطینی بچے کو زندہ نہیں رہنا چاہیے، اور یہی سوچ نیچے فوجیوں تک سرایت کر چکی ہے۔

البتہ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ حکومت اسرائیل کے بائیکاٹ کے باوجود خود اسرائیلی معاشرے کی کئی سول سوسائٹی تنظیموں اور افراد نے کمیشن کے ساتھ تعاون کیا اور معلومات فراہم کیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جنیوا میں کمیشن نے یورپی یونین اور او آئی سی کے سفیروں کو بریفنگ دی، جنہوں نے اس کام کو سراہا۔

جب میں نے پوچھا کہ کیا جنیوا میں ان پر کوئی دباؤ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ان کے ساتھی کمشنر کرس سڈوتی کو آرگنائزڈ ٹرولنگ اور ذاتی حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ جانتے تھے کہ ایک چھوٹی سی غلطی بھی رپورٹ کی ساکھ متاثر کر سکتی تھی اور اسرائیل اس کو لے کر رپورٹ کے اعتبار پر سوال کھڑا کر سکتا تھا۔ اس لیے ان کی ٹیم نے ہر چیز کو بار بار چیک کیا اور اس کے لیے جدید ٹکنالوجی کا بھی استعمال کیا۔

میں نے پوچھا کہ عالمی برادری کے لیے ان کا کیا پیغام ہے، تو انہوں نے کہا کہ عالمی نظام کا امتحان اب اس بات سے نہیں ہے کہ انہوں نے کتنی رپورٹس تیار کیں ہیں، بلکہ اس بات سے ہے کہ کیا وہ اس ناقابلِ تردید مواد کو دیکھنے کے بعد کوئی ٹھوس قدم اٹھا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر معصوم بچوں کے تحفظ کے عالمی قوانین غزہ میں زمیں بوس ہو گئے، تو یاد رکھیے، وہ کل دنیا میں ہر جگہ کمزور ہو جائیں گے۔ یہ صرف فلسطین کا مقدمہ نہیں ہے، یہ خود بین الاقوامی قانون کے زندہ رہنے یا مر جانے کا مقدمہ ہے۔

جسٹس مرلی دھر نے اسرائیل کے خلاف ایک ایسی واٹر ٹائٹ چارج شیٹ دنیا کی عدالت میں پیش کر دی ہے، جس پر تاریخ کے منصف جب بھی قلم اٹھائیں گے، صہیونی ریاست کو مجرموں کے کٹہرے میں ہی کھڑا پائیں گے۔

یہ رپورٹ ایک ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب عالمی سطح پر اسرائیل شدید سفارتی دباؤ کا شکار ہے۔

یورپ میں پابندیوں کی مانگ اٹھ رہی ہے، بین الاقوامی فوجداری عدالت (آئی سی سی) کی تحقیقات اسرائیلی قیادت پر سایہ فگن ہیں، اور عالمی عدالت انصاف اسرائیل کی توسیعی پالیسیوں کے خلاف اپنی آراء دے چکی ہے۔

یہاں تک کہ واشنگٹن اور تل ابیب کے درمیان جنگ کے طریقہ کار، انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد کی فراہمی اور غزہ کے سیاسی مستقبل کے حوالے سے نظر آنے والی دراڑیں حالیہ تاریخ کے مشکل ترین دور میں داخل ہو چکی ہیں۔ اس پس منظر میں یہ رپورٹ عالمی سطح پر جوابدہی کے اس دباؤ کو مزید تیز کر دے گی۔

تاریخ دانی: محمد زاہد

تاریخِ مسجد اقصیٰ: تقدس، عظمت اور تاریخی ارتقاء

مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول، مکہ و مدینہ کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام اور تاریخِ انسانی کا ایک عظیم ترین مرکز ہے۔ یہ صرف ایک عمارت کا نام نہیں بل کہ یہ صدیوں پرانی تہذیب، انبیاء کی سرزمین اور اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کے فضائل

مسجدِ اقصیٰ اسلام کی تین عظیم ترین مساجد میں سے ایک ہے۔ مکہ مکرمہ میں مسجدِ حرام اور مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے بعد اس کا تیسرا مقام ہے۔ یہ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ اہلِ کتاب (عیسائیوں اور یہودیوں) کے ہاں یہ سرزمین 'یروشلم' (بیت المقدس) کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ان کے مذاہب میں بھی یہ زمین مقدس اور بابرکت مانی جاتی ہے۔ یہ اللہ کے انبیاء کی سرزمین رہی ہے، مزید یہ کہ تینوں مذاہب کا یہ ماننا ہے کہ قربِ قیامت کے واقعات اسی جگہ رونما ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تین مساجد کے سوا (عبادت کی نیت سے) کسی اور جگہ کا رختِ سفر نہ باندھا جائے: مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور میری یہ مسجد (مسجدِ نبوی)۔'' [بخاری]

جس وقت یہ حدیث بیان فرمائی گئی، اس وقت مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کے زیرِ اثر نہیں تھی۔ یہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے ایک طرح کی پیشگوئی اور صحابہ کرام میں مثبت سوچ پیدا کرنے کا انداز تھا۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کا خصوصی اجر و ثواب ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ کون سی مسجد افضل ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی مسجد (مسجدِ نبوی) یا بیت المقدس؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک نماز، وہاں (بیت المقدس) کی چار نمازوں سے بہتر ہے، اور وہ نماز کی کیا ہی بہترین جگہ ہے۔ عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ اگر کسی شخص کے پاس گھوڑے کے رسّے کے برابر بھی ایسی زمین ہو جہاں سے وہ بیت المقدس کا نظارہ کر سکے، تو وہ اس کے لیے پوری دنیا سے بہتر ہوگی۔'' [مستدرک الحاکم]

نماز کے اجر کے ذکر کے علاوہ، اس حدیث میں ہمیں نبی کریم ﷺ کی ایک اور پیشگوئی بھی نظر آتی ہے۔ یہ حدیث اشارہ کرتی ہے کہ آخری وقت میں مسلمانوں کے لیے مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا کرنا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد (مدینہ) میں ایک نماز ادا کرنا کسی اور جگہ کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجدِ حرام کے اور مسجدِ حرام میں ایک نماز، میری اس مسجد کی سو نمازوں سے بہتر ہے۔'' [احمد]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری مسجد میں ایک نماز کسی اور جگہ کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجدِ حرام کے اور مسجدِ حرام میں ایک نماز (کسی اور جگہ کی) ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے۔'' [ابن ماجہ]

ان روایات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب (دیگر مقامات پر ادا کی جانے والی) ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ جبکہ مسجدِ اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب ڈھائی سو (250) نمازوں کے برابر ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مسجدِ حرام میں پڑھی جانے والی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، میری مسجد (مسجدِ نبوی) میں نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، اور بیت المقدس (مسجدِ اقصیٰ) میں نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔'' [طبرانی]

کچھ دیگر روایات، جیسا کہ اوپر ذکر ہوئی، پانچ سو گنا ثواب کی نشاندہی کرتی ہیں، لیکن ان شاءاللہ ڈھائی سو (250) ثواب والی روایات زیادہ مستند ہیں۔

اعلیٰ مقام و مرتبہ کے باوجود، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مسجدِ اقصیٰ تکنیکی یا شرعی اصطلاح میں اس طرح ''حرم'' نہیں ہے جیسے مکہ اور مدینہ حرم ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم (مقدس اور جائے امن) قرار دیا اور میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے۔۔۔ نہ یہاں خون بہایا جائے گا، نہ لڑائی کے لیے اسلحہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی چارے کے سوا کسی اور مقصد کے لیے یہاں کے درختوں کے پتے جھاڑے جائیں گے۔'' [مسلم]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی، جس کے گردونواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے، تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔'' [سورہ الاسراء: 1]

یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ لفظ 'مسجد' نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے بھی جانا پہچانا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مکہ کے مشرکین، جو نبی ﷺ کا مذاق اڑانے کا ذرا سا بھی بہانہ ڈھونڈتے تھے، انہیں یہ نام عجیب نہیں لگا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ''ہم نہیں جانتے کہ مسجدِ اقصیٰ کیا ہے؟'' انہوں نے اس جگہ کو 'مسجد' کہے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ نام ان کے لیے مانوس تھا۔ عربی زبان کے ماہرین بتاتے ہیں کہ لفظ ''مسجد'' قبل از اسلام کے عربوں میں بھی کافی معروف تھا۔ اس سے مراد ہر وہ جگہ تھی جہاں لوگ سجدہ کرتے ہوں، گویا ہر عبادت گاہ ایک مسجد ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی (جو بیت المقدس کے علاقے کی علامت ہیں)۔'' [سورہ التین: 1]

بطور مسلمان ہم صرف اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسم کھاتا ہے، تو اس کا مقصد اس کی بے پناہ اہمیت کو اجاگر کرنا یا اسے بلند مقام دینا ہوتا ہے۔ مفسرین کرام جیسے امام کعب الاحبار، قتادہ، ابن زید اور دیگر رحمہم اللہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

''اس سے مراد بیت المقدس کی مسجد (مسجدِ اقصیٰ) ہے۔''

'انجیر' اور 'زیتون' ان علاقوں کی علامت ہیں جہاں یہ درخت بکثرت پائے جاتے ہیں، یعنی سرزمینِ شام اور بالخصوص فلسطین۔ یہ انبیاء کی سرزمین تھی کیونکہ ان کی ایک بڑی تعداد یہاں رہی، یہاں دین کی تبلیغ کی اور مدفون ہوئے۔

اس آیت اور اس کے بعد کی آیات کی ایک اور تفسیر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مقامات کی قسم کھا کر ان کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ سے ظاہر کر رہا ہے۔ یہ دوسری تفسیر بھی ایک طرح سے پہلی تفسیر کی تائید کرتی ہے جو ان علاقوں کی اہمیت کے بارے میں ہے۔

نوٹ: 'الشام' یا 'لیونٹ' (Levant) سے مراد وہ علاقے ہیں جن میں موجودہ شام، فلسطین، اردن، لبنان اور ان کے قریبی علاقے شامل ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوشخبری ہے شام کے لیے۔'' ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! وہ کس وجہ سے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ رحمٰن کے فرشتے اس پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔'' [ترمذی]

آغاز: حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا خاندان

مسجدِ اقصیٰ اور بنی اسرائیل کی کہانی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے، جنہیں 'ابوالانبیاء' (انبیاء کا باپ) کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اللہ نے جتنے بھی نبی بھیجے وہ سب ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل، اور یہ دونوں اللہ کے نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام 'ار' (موجودہ عراق) میں پیدا ہوئے۔ اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلانے کے بعد، آپ نے میسوپوٹیمیا (بین النہرین) سے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور سفر کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی چچازاد سارہ سے نکاح کیا۔ آپ نے اپنی زوجہ اور اپنے بھتیجے (حضرت) لوط علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی۔ وہاں سے آپ نے مصر کا سفر کیا اور پھر دوبارہ شام واپس آ گئے۔ حضرت سارہ، جو عمر رسیدہ ہو رہی تھیں اور ان کی کوئی اولاد نہ تھی، انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو (بی بی) ہاجرہ دیں، جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اللہ کے حکم پر آپ اپنی زوجہ ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو مکہ کی وادیوں میں بسا آئے۔ بعد میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین واپس آئے تو اللہ نے انہیں دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کی خوشخبری دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ واپس گئے جہاں انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسجدِ حرام (مکہ میں)۔'' میں نے عرض کیا: ''پھر کون سی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس میں)۔'' میں نے عرض کیا: ''ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ (کا فرق) تھا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''چالیس سال۔'' [بخاری]

امام طاہر بن عاشور فرماتے ہیں: ''بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سرزمینِ شام سے گزرے اور اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ ان کی اولاد اس زمین کی وارث بنے گی، تو اللہ نے انہیں وہ جگہ دکھائی جہاں ان کی اولاد وہ عظیم الشان مسجد تعمیر کرے گی۔

(جاری ہے)

ردائے حجاب
غزہ کی بیٹیوں کا لازوال استعارہ
جہاں ہر لمحہ موت کا سایا ہو، وہاں وقار اور حیا کی جنگ کیسے لڑی جاتی ہے؟
مسکراہٹیں چھن گئیں،
بچپن اجڑ گیا
اسرائیلی بربریت کا سب سے بڑا نشانہ
معصوم بچے
GAZA

امریکی فنڈنگ کی چھتری تلے
اسرائیـــلی بستیوں کا پھیلاؤ
مقبوضہ مغربی کنارے میں زمینی حقائق تبدیل کرنے کی کوشش
U.S. SUPPORT
SETTLEMENTS